

نئے ناقوس میں ہونگی ہر جسنے روح وہیں ہوں
ابھی موجود ہیں اہل کلیسہ دیکھنے والے

روح نور حجاب کیم

یعنے

شہنشاہ جہانگیر کی ملکہ محبوبہ کے محقق اور صحیح حالات اور مشہور عالم سوانحی

جسے

ابوالفتح مولوی شیخ عاشق حسین صاحب بیہاب صدیقی الدارنی اکبر آبادی

نے تالیف کیا اور

باہتمام ایس۔ ریاض الدین

الیکٹرک ابوالعلائی پریس لکھنؤ میں چھاپا گیا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَسایہ

۱۵۹۵۸

U15951



سب کہاں کچھ لالہ گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہو گئی جو نہاں ہو گئیں

بد نصیب بند وشتاں اس وقت دیکھنے اور سیر کرنے کے قابل ہو گا جب اس کے

مختلف اجوں میں مختلف خاک کے تازہ اور شاداب پھول ہر طرف لہاں ہوں گے۔ اور انکی خوشبو سے مشام انگیز سے دماغ عالم معطر و معطر ہو گا۔ خصوصاً وہ پھول جو فطرتاً لطیف اور نازک ہوں گے اپنی لطافت و نزاکت کی جلد بیزی میں اپنا شاداب نہ رکھتے ہوئے انہیں پھول نہیں سے نور چہاں بھی ایک پھول تھی جسکی تازگی اور لطافت گلگدہ تاریخ کے اور ان پریشان پرہیز بہار آفرین ہے

خزاں ہر گلشن شگفتہ نشان کچھ کچھ گری باقی نہیں بچا دو گلوں کی نگاہ بھی نہک ہی ہے نور چہاں کی کئی سوانح عمریاں قابل اور لائق الشاہدہ رازان ملک نے لکھی ہیں نیز مغربی ساحل اور برحقوں نے نور چہاں کی لایفہ پر کافی روشنی ڈالی ہے لیکن جس طرح دفسار یا ر کو صرف گلاب و ام شاداب کہ سینے سے شلی نہیں ہوتی اور جی چاہتا ہے۔ مکہ کوئی اور حسین تشبیہ و بیجا ہے اس طرح طبیعت تقاضے کرتی ہے کہ نور چہاں کے ذکر سے گو بیشتر صحائف مغرب ہو چکے ہیں پھر بھی اس کا ذکر جمیل بہرہ جاری رہے

تو اچھا ہے

CHECKED: 2002

ملک

کر چکا ہوں فکر تیرا اور کرونگا پھر بہت ہم جلیس کرے تنہائی اسے پاتا ہوں میں
 نور چہاں کی لائف سے جو نتائج اور سبق ہیں حاصل ہوتے ہیں وہ اگر بے نگاہ و بیجا
 دیکھ لے جائیں اور ان پر غصہ سے الگ ہو کر تنقید کی جائے تو انسان کی ہستی کا اواز اور
 یہ بات فطرت کے اسرار سے پردہ اٹھ سکتا ہے۔ اس لائف سے قدرت قادر
 کا اختیار کا حقہ مقرر شیخ ہے اور فطرت انسانی کے جوہر کلیہ جلوہ گر ہے۔ انسان اپنی
 قوت کے مستقبل سے اس طرح بے خبر ہے جس طرح وقت تخلیق سے قبل علم الایثار
 اور وقوف ہستی سے نیز اپنی حالت و مافیہ سے بغیر آگاہ و بیوقوف تھا آپ اس لائف
 میں کیسی کی پیدائش اور شانہ طرز آسائش صبر کی آزمائش اور پردہ حجب سے عشق
 کی تاثیر دیکھیں گے تو آپ کو قدرت الہی کے وہ مناظر نظر آئیں گے جن کا نظارہ آپ کی چشم
 باطن میں چکا چور پیا کر دیگا

کلمہ دل سے کوئی بات اٹھا کر کہی ہے
 تاریخ میں تو ہر ایک گز تاریخ چین
 تاریخ بینی سے جب قدر ہندوستان میں دیکھی بڑھتی جاتی ہے اس قدر سوانح نگاری
 میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے لیکن آج کل کسی قسم کی سوانح عمری لکھ کر کہ ایکسٹریکٹ کرنا
 خالی از خطر نہیں ہر مصنف یا مؤلف اپنے علم کے زعم میں دوسروں کی تالیفات
 و تصنیفات میں عیوب عینی کے لئے تیار ہے اور ایسی نگاہیں بہت کم ہیں کہ اچھی چیز
 کو انتخاب کر لیں اور بری چیز کو چھوڑ دیں نہ خود ماصفا و معرکہ مکرر پر عمل کر کے اسے
 مقدس نفوس دنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً بہت کم ہیں ابھی ایک
 تصنیف یا تالیف کو میدان اشاعت میں نمودار ہوئے پہلا دن ہوتا ہے کہ اس پر
 چاروں طرف سے اعتراضات کی بھرمار ہونے لگتی ہے۔ فرمایئے کہنے والوں کا دل

کیونکر ہے **س** تم تو ذکر وصل کرتے ہی خفا ہو نے لگے
داستانِ شوقِ سن لو گے تو کیا ہو جاؤ گے

سوانح نگار جن واقعات کو مرتب کرتا ہے وہ عموماً افسانہ ہائے پیشین سے لے جاتے
ہیں آرائے کا اختلاف دوسری بات ہے کہ مصنف و مؤلف کی رائے بعد اجداد ہوتی
ہے۔ ایک ہی واقعہ ایک صاحبِ الرائے کی نگاہ میں اچھا اور دوسرے کی نظر میں
معیوب نظر آتا ہے۔ مگر یہ اپنا اپنا خیال اپنی اپنی تحقیق اور رسائی ہے۔ مخالف آرا
سے برا ماننا جبری بات ہے کہ سوانح نگار کوئی واقعہ اپنی طرف سے گڑھ کر لکھ نہیں
سکتا لکھے گا وہ ہی جو اس تک روایات کے ذریعہ سے پہنچا ہے پس واقعات کی
عمومیت مؤلف کے علی تجربہ سے ذرا بھی مستغنی نہیں کرتی۔

یہ سوانح عمری جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے تمام دوسری سوانح عمریوں
سے بہر نفع بہر صورت مروجہ لے گی اور زبان کی چاشنی سے جو لوگ لذت آشنا
ہیں وہ یقیناً اس ترتیب شیریں کی داد دیں گے۔ کہ جو لطف بیان آپ کی زبان
میں ہے دوسری زبانوں کو نصیب نہیں **س**

ہزاروں برس سے یہ لفظ لیکن لفظ تھے خالی
تمہاری بات کی شوخی تمہاری ہی زبان تک ہے
سیما ب

اگر

صدیقی الوری اکبر آبادی

۲۰۔ فروری ۱۹۲۲ء

نورجہاں

نورجہاں کے جدِ اجداد جی جی کا نام خواجہ محمد شریف تھا ملہان کے ایک زہر دست عالم و فاضل امیر کبیر تھے اور نہال میں بھی امارت و نصیحت کی کچھ کمی نہ تھی خواجہ محمد شریف محمد خاں نکلو حاکم خراسان کے دربار میں بہمدہ وزارت مامور تھے پھر صوفی ایران پر قابض ہوا تو یہ صوفی کے گورنر بنا دیے گئے۔ عمر نے یونانی کی تلج وزارت سر پر رکھے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ پروانہ قضا آگیا۔ حضرت علی طلحی ہوئی اور یہ دارِ فنا کو خیر باد کہہ کر دارِ بقا کی طرف روانہ ہو گئے۔ خواجہ محمد شریف کے دہیتے تھے۔ آقا طاہر اور مرزا محمد غیاث۔ مرزا محمد غیاث کو لوگ آجکھوں میں جگہ دیتے تھے لیکن محمد شریف کے قضا کرتے ہی اذن کی آیت وزارت میں اور جسود کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھینکنے لگی۔ مرزا غیاث نے ہر چند کوشش کی کہ لوگوں کے خیالات اُن کی طرف سے صحیح ہوں لیکن یہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے اور حاسدوں نے سر پر آرائے سلطنت کے کان ان کی طرف سے ایسے بہرے اور استقدر بار قرض خواجہ محمد شریف کے ذمہ نکالا کہ مرزا غیاث حیران ہو کر رہ گئے۔ لاکھوں روپیہ کا قرض زمانہ ناموافق سلطنت بدظن، زمین تنگ آسمان دشمن کیا کریں کیا نہ کریں۔ یہ بچارے اسی کشمکش میں تھے کہ انکی جان و مقولہ غیر منقولہ ضبط لڑکا سرکاری حکم پہنچا اور یہ دم بھر میں بے خانماں ہو گئے۔ مرزا محمد غیاث کی شادی مرزا علاؤ الدلہ و لہ پسر آقا ملا کی دختر نیک اختر عصمت النساء بیگم سے ہوئی تھی اور اس وقت تک دولت کے اور ایک لڑکی اُس کے

بلن سے پیدا ہو چکے تھے چوتھا بچہ پیٹ میں تھا کہ اتفاقاً سلطنت نے جلاوطنی کا حکم دیا۔ اور کہا بھیجا کہ ایران چھوڑ کر فوراً ہندوستان روانہ ہو جاؤ۔

ایک تو گل سے جدا کر کہا مجھے صیاد نے

اوس پہ یہ تاکید اور جاؤں میں چھوڑ کر

حکم حاکم مرگ مغاجات سنگ آمد و سخت آید مرزا غیاث بحالت مجبوری تھوڑا سا سامان خورد و نوش لیکر معہ اپنی عیال و بیوی کے ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے۔

چھوٹے بچے ہاتھ تعانے ہوئے ساتھ تھے اور انقلاب ہر کا ب تھا۔

ایران کے شگفتہ چھول خازن ارقم دہا میں

لے چلی وحشی بنا کر فتنہ سامانی مجھے

رو نیکی اب تاقیامت خانہ دیرانی مجھے

وہ مرزا غیاث جو شہنشاہ وزارت کے ایک روشن چراغ تھے اور وہ اعصمت السنہ

جوشا ہی محلوں کی رانی تھیں ایک فاطمہ کے پیچھے پیچھے اپنی بیکی اور بے بسی پر آنسو

بہا ہوتی کبھی اونٹ پر اور کبھی پیالہ چلے جا رہے تھے چھوٹے چھوٹے نادان

بچے جنہوں نے پیادہ پانی کی مصیبت اس سے پہلے کہی نہ اڑھائی تھی۔ اپنے ماں

باپ کا منہ دیکھتے تھے جب ٹھک جاتے تھے تو رو دیتے تھے عصمت النساء باؤں

کی وجہ سے اور کبھی مجبور تھیں۔ اس پر سفر کی مصیبت آنکھوں سے آنسو جاری

تھے۔ اور پاؤں دم کر آئے تھے۔ بار بار آسمان کی طرف دیکھتی تھیں

اور کہتی تھیں

اے آسان تھانہ دل زار کو مرے

بے خانماں ہوں اور غریب الوطن نہیں

میرے قندہار کی دشوار گزار دلوں کے شروع ہوتے ہی عصمت النساء کے
پیش میں دروازہ بھی شروع ہو گیا۔ یک نہ شد و دوش نہ۔ پیاری ایک درخت کے
نیچے گہیرا کے چٹھ گئی۔ اور درو کی وجہ سے بیتاب ہونے لگی۔ مرزا غیاث نے
تسلی و تسکین میں کمی نہ کی لیکن سسنان جنگل کی ہسیانک رات دزدوں کا شور
چوڑوں کا خوف یہ ایسی باتیں تھیں جو عصمت النساء کو مطمئن نہ کر سکیں۔ غریب
روٹی تھی اور دل میں خیال کرتی تھی کہ ایک دن میں چاندی اور سونے کی سہریلا
پر آرام کرتی تھی بیسید کنیزیں میری خدمت کیلئے تیار تھیں۔ آرام کے
تمام سامان میرے لئے ضرورت سے زیادہ موجود تھے۔ میری ہر تکلیف قابل
کرتے ہی ایک ذرا سے اشارہ پر راحت سے بدل جاتی تھی، اگر میرے بھانسن
چھٹی تھی تو میرے ہوا خدہ ہوں کے دلوں پر چھڑیاں چل جاتی تھیں لوگ میرے
پسینہ کی جگہ اپنا خون گراتے تھے اور آہ! ایک دن یہ ہے کہ اس بقا بقا
جنگل میں ہے پار و مددگار مبتلا سے درد ہوں اگر میرے لئے کوئی فرش ہے تو
جنگل کی خشک درو دگھاس چتر ہے تو آسان کی نیلی چادر میرے ٹوٹن دھوم
چالوز ہیں اور سیکسی کے سوا کوئی خام و نظر نہیں آتی۔ یا آجی کسی درندے کو
ہی بھیجے کہ کسی خام سے نکل کر میرا کام تمام کر دے۔ یا آسان سے کوئی بچی
گر کو میرا فیصلہ کر دے۔ اور ہر مرزا غیاث نے اندھیری لٹات میں الا و جلا کر کہا تھا
بچوں کو اپنے پاس بٹھا لیا تھا اور اپنی گذشتہ و آئندہ حالتوں پر نظر تنقید ڈال

رہا تھا بھری کی بیکسی بچوں کی تکلیف اور اپنی خانہ بریادی کے خیال سے اس کا
دل ہٹھا جاتا تھا۔ مگر اوس کی مایوسی دعائیں مانگ رہی تھی۔ کہی کہی اوس کے
دونوں ہاتھ جانب آسمان اڑتے جاتے تھے اور وہ چلائے لگتا تھا۔

اکہی رحم کن بر حال زارم کہ از مایوسی خود بے قرارم
نگاہ لطف بچا رگال کن مسرت از قدرت عیاں کن

جب اس کی بھیرری حد سے زیادہ بڑھ جاتی تھی تو انبیاء علیہم السلام کی نصیحتیں یاد
کر کے وہ اپنے دل کو ٹوٹھار سے بندھاتا اور اپنی بھری کو بھی سمجھاتا تھا کہ وہ خدا جس
نے مریم علیہا السلام کی مدد کی تھی تمہاری بھی مدد کریگا۔ وہ اس واقعہ کو بار بار
پڑھتا تھا کہ مری علیہ السلام بھی اپنی حاملہ بی بی کے ساتھ اسی طرح لدق
بنگل میں آئے تھے۔ مگر انور الہی نے اُن کی پیروی کی اور اُن کی رحمیں کو نوازا
اور انہیں اُسی عالمِ مرد و افکار میں ایک شکیں بخش تڑائے غیبی کے ساتھ جاسٹ
نبوت بخشا۔ وہ اپنے انجامِ کار کی بہتری کا یقین رکھتا تھا اور یہ مسرت
صاف کر اپنے سامنے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ مگر پھر ہی سوزِ باطنی کے جذباتِ دہران
اوس کے آنسوؤں کو حرکت میں لے آتے تھے۔ چاند اپنی پوری روشنی کے
ساتھ فضلے عالم کو منور کر رہا تھا جبگل کا ذرہ ذرہ نوری لباس میں جبک
رہا تھا۔ ذرخت جھوم جھوم کے غافل انسان کو خدا کے قوم کی پوشیدہ
نعمتوں کا حشرہ سار ہے تھے۔ کہ پچھلے پھر پردہ شب کی تاریکی میں عصمت
عصمت النساءِ بیگم نے وضعِ حل کیا اور نوچیاں پیدا ہوئی۔ اس عالمِ برابری
میں لڑکی کا پیدا ہونا ایک دوسری مصیبت تھی چرزا غیاث اسکی پیدائش

سے کچھ خوش نہ ہوا۔ اوس سوچا کہ ہمیں تو فرشتہ خدا جانے کہاں کہاں لئے
 پھرے گی اور ہماری آوارگی کا انجام خدا جانے کیا ہوگا اس لڑکی کو ساتھ
 ساتھ لئے پھرنے کی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسی
 جنگل میں چھوڑ دیا جائے اور یہاں سے آگے کی راہ لیں یہ ارادہ اوس
 نے اپنی بی بی پر بھی ظاہر کیا۔ ماں کی مامتا کو کون نہیں جانتا وہ گو کسی
 شخص سے بھی مگر شوہر کے اس ارادہ کو منکر بیقرار ہو گئی۔ اوس کی
 آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دنیا میں کون سی ماں ایسی ہوگی
 جو اپنی چھائی پر پتھر کی سل رکھے کہ اپنے دل کے ٹکڑے کو جنگل میں چھوڑ دیگی مگر
 شوہر کی فرمانبرداری کا احساس اس کو بھی زیادہ تھا۔ مجبوراً اسے مرزا غیاث کی
 رائے پر عمل کرنا پڑا۔ ماں نے ایک دن کی جان کو اسی دھت کے نیچے نرم توں
 پر رکھا۔ ایک کھڑے سے اوس کا جسم ڈھکا اپنے ہاتھ کی انگوٹھی اسکے گلے میں ملی
 اور کہا کہ اے خداوند! اگر خدا حافظ ہے میں تجھے چھوڑ کے جاتی ہوں۔ مجبور ہوں،
 مصیبت زدہ ہوں خدا تجھ پر رحم کر بکا تیری حفاظت اسی کے اختیار میں ہے
 وہ ہزاروں بچوں کو اسی طرح ہالتا ہے بچے جی بالیکا۔ بچی اپنی ماں کو اگر زندہ
 رہے تو سیرِ حرم اور نظام نہ ٹھیرنا۔ کہ میں اپنی مصیبتوں سے خود ہی پریشان ہوں۔ یہ کہا
 ایک دفعہ اور اوسے دو وہ بلایا۔ اور فی امان اللہ، کہتے ہوئے ماں باپ
 دونوں وہاں سے رخصت ہو گئے۔ لڑکی بڑی ہوئی انگوٹھا جوں ہی تھی اور ماں کی
 نگاہیں بار بار اس کی طرف لوٹ رہی تھیں اور نشانِ مہر ہی نہیں آنسوؤں کا دریا مال
 باپ کی آنکھوں سے جاری تھا۔ دل بالسنوں پھل رہا تھا۔ لڑکی کا خیال بھیجہ

مل رہا تھا۔ جانتے کہ اس کی نظر آئی کچھ صبر رہا لیکن جوں ہی وہ نظر سے غائب ہوئی
بیوی بے اختیار چیخ مارتی ہوئی رہ گئی۔ دونوں گئے مگر خوب روئے اذیت
دلی بھڑاس جی طرح نکل چکی تو بچوں کو ساتھ لیکر آگے روانہ ہوئے۔ دوسرے
روز ایک گاڑی میں پہنچے مرزا غیاث انہیں ایک جھونپڑی میں بٹھا کر کچھ سامان
ضروری پہنے کیلئے باہر کیا اور ماں اپنی بیٹی کی یاد میں خون کے آنسو بہانے لگی۔

کرشمہ قدرت

کہتے ہیں کہ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ اوس کی سلطنت میں ایک ایسا لڑکا پیدا
ہو نہیو اللہ ہے جو اس کی جھوٹی خدائی کو خاک میں ملا دیگا اور اوس کی فرعونیت کے
دعاؤں یا طلہ کو مٹا کر رکھ دیگا تو اوس نے ہر طرف منادی کرادی کہ آج سے جو
لڑکا کہیں پیدا ہو میرے حکم سے فوراً اوس کا گلا گھونٹ دیا جائے اگر ماں باپ ایسا
نہ کرینگے تو وہ قتل کر ڈائے جائینگے اسی زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے
تو ان کی ماں نے جو فرعون کے محالوں میں ملازم تھیں فرعون کے خوف سے ایک
صندوق میں بند کر کے انہیں دریائے نیل میں بہا دیا۔ کچھ لوگوں نے دیکھ لیا صندوق
کو کنارہ سے لگایا، اسے اور فرعون کے سامنے کولا۔ اوسنے دیکھا کہ سین بچہ پڑا
ہوا لگوٹھا جس رہا ہے۔ اور مسکرا رہا ہے اوس کے مسکرانے سے دل پر خاص اثر
پیدا ہوا اور حکم دیا کہ اچھا اسے غلاموں میں رکھو اور کسی کو رضا عمت کیلئے مقرر کر دو۔
خدائی قدرت دیکھتے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رضا عمت انہیں کی ماں کے سپرد
کی گئی۔ اور وہ آخر میں مادر میں پرورش پانے لگے اور بالآخر ایک بڑے سے نصیر ہوئے اور

سنئے، جب یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنیت میں ڈال دیا اور سوچا کہ اب
 یہ اس کنوئیں میں گھٹ گھٹ کر مر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ایک قافلہ کو اس
 کنوئیں پر بھیجا اور ایک شخص نے آپ کو دیکھا، اس میں سے نکالا مصر لے گیا، اور چونکہ وہ سوداگر
 تھا اور انسانی تجارت اس وقت جانز بھی جاتی تھی اور انسان فروشی محبوب نہ تھی
 اس لئے مصر میں لاکر زچانے کے ہاتھ آپ کو فروخت کر ڈالا۔ اور آخر کار آپ مصر کے بادشاہ ہوئے
 ان دونوں واقعات کی تعلیق یہ ہم نور جہاں کے واقعات سے کرنا چاہتے ہیں اور کہنا
 چاہتے ہیں کہ خدا کی قدرت کے کرشمے کسی وقت خاص اور کسی زمانہ مخصوص کے
 کیلئے مختص نہیں ہوتے اس کی عنایتیں نوازشیں مہربانیاں اور رحم و کرم کی
 ہوائیں ہر وقت اور ہر جگہ چلتی رہتی ہیں اور اس کی رحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا
 جب نور جہاں کو مجبور ماں باپ جنگل میں تھا چھوڑ کر چلے گئے تو رحمت کے فرشتوں نے
 اسے فوراً گود میں اٹھالیا۔ کارخانہ قدرت کی طرف سے ایک سانپ نور جہاں
 کا محافظ مقرر ہوا۔ ابھی یہ سامان ہو ہی رہے تھے کہ ایک شخص کا وہاں گذر ہوا اور
 اس نے دیکھا کہ ایک کالا سانپ غالباً اپنا من اگل کر اس کی محافظت کر رہا ہے
 لیکن جب یہ اور قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ ایک سرخ و سفید بچہ ہے جس کے ارد گرد
 سانپ کنٹلی مارے بیٹھا ہے۔ پہلے تو یہ ڈرا کہ میں اس بچہ کو اٹھا دوں اور ماریں
 یہ سانپ چھ پر حملہ کر بیٹھے۔ لیکن پھر صبر کر کے ذرا آگے بڑھا تو وہ سانپ خود بخود
 نور جہاں کو چھوڑ کر پیڑ چڑھ گیا۔ نور اور مسافر نے جلدی سے بچہ کو گود میں اٹھالیا اور
 خوش خوش اپنے سردار کے پاس پہنچا جو ایک مشہور اور ذی عزت سوداگر تھا۔ اور جس
 کا قافلہ ہندوستان جا رہا تھا۔ سوداگر بچہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا حفاظت سے اسے

اپنے پاس اونٹ پر بٹھالیا اور وہاں سے یہ قافلہ روانہ ہو کر سیدہ ہاسی گانوں میں
 پہنچا۔ جہاں مرزا غیاث معہ اپنی بی بی بچوں کے مصیبت کی زندگی بسر کر رہا تھا اور
 اس کی دامانگیوں نے اسے دم لینے کے لئے ٹیہر لایا تھا۔ یہاں پہنچ کر سو داگر نے
 ایک شخص کو ادھر ادھر بھیجا کہ کسی دودھ پلانے والی کو تلاش کر کے لاتے تاکہ یہ بچی اسکے
 سپرد کی جاوے۔ وہ شخص رضا کے کی تلاش میں گھومتا پھر تاہاں آیا جہاں مرزا غیاث
 کا مختصر مگر مصیبت زدہ خاتون حسرت دیاس کے عالم میں تھا۔ اس کے لئے
 تمہاری عورت ایک بچہ کو دودھ پلا سکتی ہے۔ دیوان کی شہابی خاندان والی سنہ ۱۰۸۰
 اپنے شوہر کا منہ دیکھنے لگی۔ اسے اپنی امارت اور عزت و میں چٹکیاں لیتی ہوئی محسوس
 ہونے لگی۔ اپنی بچی کو یاد کر کے عصمت النساء بیگم جہاں بی بی نہیں آنکھیں ہی بہر آئیں
 اور وہ نار و قطار روٹنے لگی۔ مرزا غیاث نے اس مصیبت و افلاس کے تلافی کے لئے
 اس دلیلی کو غنیمت جانا اور اس شخص سے کہا کہ میری بی بی دودھ پلانے لگی۔ اس کے لئے
 ہے اس نے کہا کہ تم دونوں ہمارے سردار کے پاس چلو وہ لڑکی تمہارے سپرد کر دینگے
 مرزا غیاث معہ اپنی بی بی کے سوداگر کے پاس آئے تو اس نے ان کے چہرہ سے
 آثار شرافت نمایاں دیکھ کر فوراً بغیر مزید دریافت حال لڑکی کو عصمت النساء کے سپرد
 کیا۔ اور کہا کہ تم اسے دودھ پلاؤ۔ ہم تمہیں اس کے عوض میں کچھ دید با کرینگے۔
 عصمت النساء بیگم نے لڑکی کے گلے میں اپنی انگوٹھی دیکھی تو جوش مسرت سے اسکی
 آنکھوں میں آنسوؤں کا آئسہ اور چہرہ بلبلاش ہو گیا۔ مرزا غیاث نے اشارتاً بوجھ کیا
 ہے تو عصمت النساء بیگم نے جواب دیا کہ یہ تو تمہاری بی بی بچی ہے۔ مرزا غیاث بھی
 اس حسن اتفاق سے بید خوش ہوا اور اس واقعہ کو نور جہاں اور اپنی زندگی کے لئے

خال نیک سجھا سوداگر نے یہ معلوم کر کے کہ یہ دو میاں بی بی ایک تم خوش ہو گئے
 ان سے حال دریافت کیا۔ انہوں نے اپنا پورا افسانہ اوستہ بلفطہ کہہ سنایا جب
 سوداگر کو معلوم ہوا کہ مرزا غیاث خواجہ شریف کا تخت جگر ہے اور یہ اوس کی بی بی
 عصمت النساء بیگم ہے تو اوسکے دل پر ایک عبرت آفرین اثر پڑا اور اس نے فوراً
 عصمت النساء کیلئے پردہ کا انتظام کر دیا۔ مرزا غیاث کی بھی آبرو کی گئی اور انکے
 بچوں کو بھی آرام دینے کی ہر مناسبت کو تشش علی میں لائی گئی یہ پہلی برکت تھی جو
 نورجہاں کی وجہ سے مرزا غیاث اور عصمت النساء کو حاصل ہوئی۔ اور یہ سب کے سب
 بڑی عزت اور پورے آرام کیساتھ اسی قلعے کے ہمراہ ہندوستان پہنچے اور پھر الہ آباد
 داگرہ میں آکر سوداگر کے ساتھ مقیم ہوئے۔

مرزا غیاث کی قسمت کا پانسہ

سوداگر ملک مسعود کے گہریں نورجہاں کا باپ مال اور بھائی بہن سب چین سے
 رہنے بہنے لگے اور نورجہاں ایک خاص خوبصورتی اور تناسب کے ساتھ نشوونما پانے لگی ایک
 دن ملک مسعود دربار شاہی میں بمقام فحویہ پہنچا۔ بارباب ہوا اور قسم قسم کے تحفے تحایف
 دکھانے لگا کہ میں شہنشاہ کے لئے ایک بولتا ہوا اصل بٹی لایا ہوں جو حقیقت
 میں اس قابل ہے کہ درج شاہی میں رہے۔ اس کے بعد مرزا غیاث نورجہاں اور اسکی
 والدہ کا مفصل حال سنایا اور جو جو واقعات محل کے قندھاریں اور اپگزرے قلعے تلم
 وکمال بیان کئے شہنشاہ اکبر نے حکم دیا کہ مرزا غیاث کو ہمارے حضور میں حاضر کرو
 چنانچہ ایک دن موقع ہاکر ملک مسعود نے بڑی خوشی سے آگرہ میں مرزا غیاث کو

حضور میں پیش کر دیا۔ مرزا غیاث کے پاس سلطان ہمایوں کا نوشتہ تھا جس میں لکھا تھا۔
 کہ ہمارے قیام ہرات کے موقع پر مرزا غیاث اس کے دادا سے ہماری بڑی خدمت کی اور
 ہم اس سے بچاؤ بخش ہیں۔ یہ نوشتہ اکبر کو دکھایا گیا۔ وہ مرزا غیاث سے ملکر بہت
 خوش ہوا۔ اور مرزا غیاث کو اسی دن سے دیوان ہونماست کر دیا۔ اب تو مرزا غیاث
 چھتیس کارخانوں کے مالک بن گئے۔ تمام محلات شاہی سے تعلق ہو گیا۔ کارخانوں
 میں ان کا حکم چلنے لگا اور سرکار دربار میں آزادی کے ساتھ رسائی ہو گئی۔ نورجہاں
 اور انکی ماں شاہی محلوں میں بنے لگے اور عام آسائشیں اس مہیبت زدہ خاندان کو
 میسر آ گئیں۔ ان کے تمام درو اور مایوسیاں نیز غربت و مسافرت کی تکلیفیں خوشی سے بدل
 گئیں اور سب خدا کا شکر کرنے لگے۔
 اوسے فضل کرتے نہیں لگتی بار نہ ہو اس سے مایوس امیدوار

مہر النساء

اب مرزا غیاث کا اگر وہ میل بہتے ہتھ پانچ برس ہو گئے اس عرصہ میں کئی وقت پہلے سو زیادہ بڑ بھائی کی لڑکیاں
 برس کی ہو گئی اور اس کے حسن و جمال میں اضافہ خاص ہوتا گیا۔ پانچویں برس اس کا
 پہلا نام "مہر النساء" رکھا گیا اور اس تقریب میں خوشی کے جلسے مرزا غیاث کی طرف سے
 کئے گئے۔ وہ شخص جس نے گذر بسر کے لئے اپنی بیوی کو دودھ پلانے کی ملازمت
 کیلئے اجادت دیدی تھی آج ہزاروں روپیہ اپنے ہاتھ سے اونٹنار ہا ہے اور وہ
 ماں جو فلاکت و غربت کے خیال سے "زہرہ عالم" نورجہاں کو شکل میں بار آؤش
 سمجھ کر چوڑا آتی تھی سبیکڑوں کنیزوں میں ملکہ بنی بیٹی ہے۔ کمان اللہ یہ سب قدرت

کے کرشمے ہیں اور انسان اپنے مستقبل سے بالکل آگاہ نہیں ہے کہ کل کیا ہوگا کوئی حالت دنیا میں ایک سی نہیں رہتی اور ہر حال میں ایک انقلاب پیدا ہو جاتا ہے یہ نیرنگی اندازے عالم سے جاری ہے اور اُنہماے عالم تک یوں ہی جاری رہے گی۔

تعلیم و تربیت

شاہی محلوں کا رہنا سہنا، ناز میں بلنا، لاٹھیں پرورش پانا، نورجہاں بہت جلد ہوشیار ہو گئی۔ اور چونکہ عصمت النساء بیگم شاہی محل کی اتالیقہ تھیں سلتے اپنی لڑکی کی نوازش و نوازدیں ہی پہلے ادب میں سے حصہ لیا۔ مہر النساء نے قرآن شریف بہت جلد ختم کر لیا۔ اور ایسی خوش الحانی سے پڑھنے لگی کہ تمام محل شاہی میں ہوم ہو گئی اُس کی پیاری اور بھولی آواز، حسین صورت، حسنِ بھدیکہ دیکھ کر تمام شہزادیاں اوس پر نہار جاتی تھیں، وراسکی دیکھتے والیاں اُسے آنکھوں پر شہنائی نہیں دے سیں تک مہر النساء نے زری کا کام سیکھنے پر دینے کا کام کشیدہ کاری، وغیرہ وغیرہ نہ نہ تعلیم کے ساتھ حاصل کئے اسکے بعد ایک معتمد شخص مرزا ہادی اُسکی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے انہوں نے بہت بہت ہلد پوری محنت کے ساتھ گنتاں۔ یوئٹال۔ اتوار پسی۔

میں بازار۔ یوسف زینجی وغیرہ کتابیں پڑھا دیں عربی میں بھی کافی جہارت پیدا کر دی الف لیلہ اور کلیلہ و دمنہ کے افسانے اوسے یاد ہو گئے۔ اور وہ فارسی عربی میں بڑی قابل ہو گئی دس برس کی عمر میں مہر النساء نے اتنا کچھ سیکھ لیا کہ دوسری لڑکیاں بیٹل برس ہیں ہی نہ سیکھ سکتیں۔ نیزہ بازی، تیر اندازی، شمشوری، تانگ گازی وغیرہ سہا ہیا نہ فرزن اس نے اپنے باپ اور بھائیوں سے سیکھے تیرنا۔ ماہی خانم

سے سیکھا اور مہندوانہ مذاق کے مہنر بھی مہندو رانیوں سے حاصل کر لئے دسیوں
 برس وہ اپنی خوش سلیقگی، تہذیب، تہذیب، تہذیب، علم عقل احسن اور سیرت کے لحاظ
 سے ایک اچھی شہزادی، اچھی ملکہ، اور ایک سنگہریلی بنی، بنگلی، جس نے محل شاہی
 کے رہنے والوں اور رہنے والوں کے دل میں پورا رومخ اور وقار حاصل کرنا شہزادے
 مہر النساء کے ساتھ بے تکلف اور آزادانہ رہتے تھے، پردہ کی محلوں میں سخت
 پابندی تھی لیکن مہر النساء ابھی جوان نہ تھی جو اس پر وہ کی قید لگائی جاتی رہی
 شہزادوں کیساتھ کہلاتی تھی، کہا جاتا تھا کہ یہی تھی، بیہوشی، اُتھتی بھی تھی اور ان کے کاموں
 میں شریک بھی ہوتی تھی۔ شہزادے اسکی سلیقہ بندی اور متانت کی وجہ سے
 اپنی صحبت کے قابل سمجھتے تھے۔ اور یہ ہمیشہ انہیں کے ساتھ مشاغل علم میں
 مصروف رہتی تھی اکثر شہزادہ سلیم سے جس کا لقب بعد میں جہانگیر ہوا۔ گفتگو کرتی
 تھی۔ اور یہ اس کے سامنے بھی بے تکلف اور بے پردہ آتی جاتی تھی۔

شہزادہ سلیم اور مہر النساء

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیس لذت از گفتار خیزد
 یہ سب کچھ تھا کہ محل سرانے شاہی میں لڑکیوں کی عصمت و عفت کا بچہ خیال و
 لحاظ رکھا جاتا تھا۔ مگر ایک محل میں ایک ہی قصر میں ہر وقت کارہنہا سہنا آدھنہا
 ہٹھنا مہر النساء شہزادوں سے چھپ کر کہاں جاتی۔ اور اوں کے ساتھ اکثر
 مصروف سیر چین بھی تھی، اُتھتی تھی، کھیلتی تھی، غرض کہ کسی قسم کی بیگانگی نہ تھی۔ ہاں
 شہزادہ سلیم اکبر کا لاڈلا بیٹا، اور شہزادوں کا بلا ہوا نور نظر تھا۔ اپنے آداب شہزادگی

اور دو قاصداً حقیقی کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت کم توجہ کے ساتھ مہر النساء کیجے
دیکھتا ہوتا ہے مہر النساء کے دل میں کسی قسم کا خیال نہ بنا جو شہزادے کو اپنی طرف توجہ کرے۔ وہ
بھی شاہی آداب کا لحاظ رکھتی تھی اور متانت و خجندیگی کیساتھ پیش آتی تھی شہزادہ سلیم
مہر النساء کی تربیت و تنظیم مناسب خفہ و خوبصورتی اور لیاقت کی شہرت سے متاثر
ضرور تھا مگر طرح چاند کے سامنے تاروں کی کتنی ہی تعریف ہو وہ اس سے متاثر نہیں
ہو سکتا۔ اس طرح شہزادہ سلیم سب کچھ اُسکے متعلق متانتاً نگاہیں قابلیت کے سلسلے
اور مہر النساء کی لیاقت کا آفتاب و منہ لا نظر آتا تھا۔ اور وہ اسکی طرف اچھلتی ہوئی
نگاہ ڈال کر اسے بہلا دیتا تھا جس اتفاق سے ایک روز شہزادہ سلیم چمن شاہی میں کبوتر
اڑا رہا تھا اور مہر النساء اپنی چند سہیلیوں کیساتھ اس کے قریب مصروف گفتگو
تھی۔ شہزادہ نے دو کبوتر مہر النساء کو دے دیے اور کہا کہ انہیں اچھی طرح پکڑے رہو۔

مہر النساء نے حکم کی تعمیل کی اور شہزادہ اپنے کبیل میں مصروف ہو گیا۔ بخوبی دیر ہوئی تھی
کہ اتفاق سے ایک کبوتر مہر النساء کے ہاتھ سے نکل گیا اور اڑ کر شاہی باغ میں خدا
جائے کس طرف غائب ہو گیا۔ شہزادہ جب اسکی طرف رجوع ہوا اور کہا کہ میرے کبوتر
لاؤ مہر النساء نے کہا کہ صاحب عالم ایک کبوتر تو آؤ گیا۔ ایک باقی ہی ہے لیجئے۔ شہزادہ نے
دریافت کیا کہ ہاؤ ایک کبوتر کیسے آؤ گیا مہر النساء نے دھڑکے کبوتر ہی ہاتھ سے چھوڑ دیا اور کہنے
لگی کہ حضور ایسے "معلوم ان دو لفظوں میں یا ایک فقرے میں سن بل کا جاؤ اور آخر تما کہ شہزادہ
سلیم سجاد خفا ہو چکے سکر کر رہ گیا اور اسی وقت سے مہر النساء کی محبت شہزادہ سلیم کو دل میں پیرا کر لی
اس واقع کو شیخ غافل نے اپنی شہنوی میں سطرچ لکھا ہے۔

کبوتر داؤد اور اس شہزادہ بہ پرواز کبوتر دل نہادہ

مژدہ چول چنگل شہباز دیدہ نلکہ چول پنجہ شاہیں رسیدہ
 دگر چول دیدہ دستہ آکن مناز کبوتر کردہ بود از دست پرواز
 پیریدش چہ کردی آں کبوتر بگفتہ رفت از دہم سر اسر
 دگر پیرید چول رفتہ بگو باز بگفتہ این چنین کرد دست پرواز
 چنین گفت دکبوتر داد پرواز ادالیش لطف پیدا کرد با باز
 کبوتر آن کہ در دست دگر بود باد ہم پیش او بگذاشت زود
 چو آتش در آواست دہری دید ہشتم کرد و طرحش را پسندید
 دل شہزادہ را حسن دادایش ہم آموخت عشق فتنہ دادایش

چونکہ شیخ عاقل کو کتب خانہ جاگیر سے تعلق خصوصی تھا اس لئے اول نگاہ بیان کسی طرح
 غلط نہیں ہو سکتا اور واقعات مندرجہ تمام و کمال صحیح معلوم ہوتے ہیں غرضکہ اس طرح
 مہر النساء بیگم کے ہمراہ شہزادہ سلیم کو اپنی خوش ادائیگی کی وجہ سے متوجہ کر لیا اور یہی بنیاد حقیقی

مہر النساء چودہویں برس میں

اسی طرح بہتہ بہتہ مہر النساء کی عمر چودہ سال کی ہو گئی اور مرزا غیاث اور اکی بیوی نے
 محلات شاہی میں کافی سرسبز و اعتیاد پیرا کر لیا وہ لڑکی جس کا بچپن دوسری عورتوں
 کے شباب سے بہتر تھا شباب میں جو کچھ ہی ہو جائے کم ہے۔ ایک تو حسن لیاقت اور ہر
 تقاضا سے عمر اب از مہر النساء اہل قلعہ کی نگاہوں میں پری بن کر بھرنے لگی۔ جو اس کی طرف
 دیکھتا تھا اس کی نگاہیں منبطل رہا پس آتی تھیں۔ حسن تقریر و گفتنی تجربہ و سناعت علم
 و قاری و حسن جمال و حسن سبب دل چل کر مہر النساء کو چھٹی کی دہلیں بنا کر کہا تھا۔ مان

باپ اپنی بہر حال لڑکی کو دیکھتے تھے اور اسکے آغاز حیات پر نظر کرتے تھے تو عجیب ظلم
 سا نظر آتا تھا وہ اپنے دلوں میں خیال کرتے تھے کہ یہ لڑکی آج محل شاہی میں داخل دیکھنے کی
 چیز بنی ہوئی ہے۔ ایک دن قنارہ کے سستان اور ہونک جنگل میں بے مادر و پدر
 تنہا پڑی ہوئی رہی تھی کہ اسکا مستقبل اس قدر روشن ہو گا اور اس کی برکت
 سے ہمارے دن پھر نیکیں۔ مہر النساء کا یہ حال تھا کہ وہ تارخ ایران، الف لیلا
 عجائب المخلوقات، کلیلہ و منہ، گلستان، بوستان، شہنشاہ، دیوان حافظ، انوار سہیلی
 مینا باؤرا، یوسف زلیخا، سکندر نامہ وغیرہ تمام فارسی کی سخت سے سخت کتابوں پر کافی
 عبور حاصل کر چکی تھی۔ فارغ سپہ گری میں اوسکو پوری مہارت تھی۔ علم، بیت، نطق
 حکمت کو دیکھ کر ہی کچلی تھی۔ اور مختلف فنون شریفہ و لطیفہ پر حاوی تھی۔ ہر موقع و محل
 کے ہزاروں فارسی اشعار اسے از پرستے اور وہ اپنے فضل و کمال کی وجہ سے ہر طرح
 ملکہ جیسے کے قابل ہو چکی تھی۔ سینے پر دسے میں اس نے کافی دستگاہ حاصل کر لی تھی اور
 اب حن کا یہ عالم تھا کہ عصمت باؤرا اسکی باہی اوسکے پردہ کا بہت زیادہ اہتمام کہتی تھی
 اور اسے کسی وقت اپنی آنکھوں سے اوچل نہونے دیتی تھی وہ تیرنا خوب جانتی تھی
 شکار گاہوں میں دسے معمولی طور اور غیر معمولی طور پر مشفق بن جاتی تھی۔ وضع اور طرز
 میں جدت نگاہی اسکی ذہانت کا ایک ادنیٰ گوشہ تھی اسنے گہوڑوں پر چڑھ کر کھسپوری
 بھی سیکھ لی تھی اور ہر قسم کے ہتھیاروں کی شناخت میں بھی اسے یدِ طولیٰ حاصل تھا۔
 اسکی وجہ یہ تھی کہ مرزا غیاث تمام شاہی کار خالوں کے مختار تھے۔ اس سلسلہ چیزیں
 اوسکے سامنے آتی تھی اور وہ ہر چیز کی ماہیت اسکے دریافت کرنے میں اپنا ذہن بھر
 کرتی رہتی تھی۔ اوسنے اپنی ایک خاص لاجبری قائم کر رکھی تھی جس میں وہ اکثر دن اور

رات میں زیادہ وقت صرف کرتی تھی اور کتابوں کے دیکھنے پڑھنے سے اور کثرت مطالعہ سے اسے ہزاروں نئی علمی باتیں معلوم ہو گئی تھیں۔ اس نے اسی صغیر سنی میں شعر گوئی اور شعر فرمائی میں ہی کافی قوت حاصل کر لی تھی اور کبھی کبھی خود ہی شعر بٹاتی اور اسے خود ہی گنگنا کر سکا مفرہ پیشی یعنی تہی غصہ یہ ہے کہ چودھویں برس میں مہاراجا لکھنؤ علم و فضیلت اور حسن و لیاقت کا ایک پورا چاند تھی جس پر اہل نظارہ کی نگاہیں محبت آمیز و قار و ادب کیساتھ پڑتی تھی اور شہزادہ سلیم کی توجہ میں روزے جذبہ جہاد سے اضطراب اور عینی بقدری کا اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

پہلی شادی

شہزادہ سلیم کی محبت اور دلنشینی کا راز پوشیدہ نہ رہا۔ اور اسکی متماثل نگاہوں نے شہنشاہ اکبر سے سب کچھ کہدیا۔ اکبر ایک زمانہ شناس، معاملہ فہم اور مال اندیش بادشاہ تھا جب اس نے شہزادہ سلیم کی لالچائی ہوئی نگاہوں کو دیکھا اور کہو تو لگا واقعتاً نو اور کاما تھا تھکنے لگا اور وہ سوچنے لگا کہ کہیں شہزادی کی محبت اور توجہ کوئی نیا رنگ نہ لائے۔ وہ جانتا تھا کہ ہر چند مرزا غیاث میرا ملازم ہے اور میرے اختیار میں ہے۔ تاہم اسکا تعلق ایران کی دربار سے رہ چکا ہے اور اسکی بی بی عہمت بانو ایران کے خاندان سے علم و اجتہاد سے وابستہ رہ چکی ہے اسلئے کہیں ایسا نہ ہو کہ شہزادہ کی دلنشینی مہاراجا کو خلعت و وجہیت سے سرفراز کر کے کسی پولٹیکل خواہش کو ادھار دے اور شاہی ہو جانے کے بعد مرزا غیاث کا ایرانی خاندان سلطنتِ مغلیہ پر قابض و مالک ہو جائے گا دعویٰ کرے۔ بیشک ان خیالات

متاثر ہو کر اوسنے شہزادہ سلیم کو ایک دن تنہائی میں بلایا اور کہنے لگا کہ باؤ شاہوں کے
 محلوں میں جو شریف لڑکیاں رہتی ہیں ان کی نسبت شہزادوں کا خیال قابل اعتبار
 ہونا چاہیے۔ شہزادوں کو ہرگز لازم نہیں ہے کہ وہ محل میں رہنے والی لڑکیوں کو محبت
 اور خواہش کی نگاہ سے دیکھیں۔ ادھر تو اکبر نے بروہی پردہ میں شہزادہ سلیم کے
 خیالات پر امید و بیم کا رنگ پھیرا اور مرزا غیاث سے کہا کہ تمہاری لڑکی ہر تیار ہو جاتی
 اس کی شادی کی کچھ فکر نہ پڑاؤ۔ مرزا غیاث اور ان کی بی بی نے دست بخت عرض
 کی کہ حضور مالک ہیں حضور کے ہوتے ہم کون ہیں کہ مہر النساء کی شادی کے متعلق کوئی رائے
 قائم کریں ہم ہی آپ کے ہیں وہ ہی آپ کی ہے جیسا حضور کے خیال میں مناسب ہو کہا جاتا
 بہن چون دہرا کا اختیار نہیں ہے حضور مختار ہیں جو چاہیں کریں شہنشاہ اکبر اچھی
 طرح سمجھتا تھا کہ مہر النساء کوئی لڑکی نہیں ہے جس کا ہاتھ بغیر سوچے سمجھے کسی کے ہاتھ
 میں دیدیا جاتے اس لئے اس کی نگاہیں اور اکبر کی سلطنت کے ہر فرد پر پڑتی تھیں اور وہ اس
 آجانی تھیں۔ آخر اس کی نگاہ انتخاب علی قلی خان ترک بد پڑی اور اس کے وجود میں اسے
 مہر النساء کے قابل جو ہر نظر آئے لگے۔ علی قلی ترک نس کا ایک جوان مرد جو سبھی تہادہ
 شہنشاہ اکبر کی ملازمت سے پہلے ایران میں شاہ طہاسب صفوی کا سفیر چین
 بھیجا تھا۔ اور اب خان خانان کے دربار سے دربار اکبر میں جھٹانہ دسر فرزند تھا اور
 اپنی بہادر دی و جوانمردی کا بار بار امتحان دے چکا تھا۔ دربار والے اس کی شجاعت
 و بہادری سے کہتے تھے اور اکثر مہمات عظیم کے لئے اسی کو پیش کر دیا کرتے تھے
 چنانچہ علی قلی ایک مرتبہ کجاست باہنی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا گیا۔ حاکم دولہ نے
 اس کی زندگی کو ختم کرنے کا منصوبہ اور سامان کیا تھا مگر خدا کو اسے جوانمرد ثابت کرنا

مقصود تھا۔ علی قلی نے ایک ہی نیزے میں اُس فیل مست کا کام تمام کر دیا اور دشمنوں کے سامنے سرخرو ہوا۔ دوسری مرتبہ شیر سے مقابلہ کر دیا اب بھی اوسے شیر کو لڑکا رکے تلوار سے مار ڈالا۔ اور اس بہادری کے صلہ میں شہنشاہ اکبر نے اُسے "شیر افکن" کا بہاوارانہ اور قابل رشک خطاب دیکر اوس کے حاسدوں میں اوس کا مرتبہ ادب بھی دو بالا کر دیا۔ ان اوصاف سے متصف دیکھ کر اور اوس کی قابلیت و جوانمردی پر اعتبار کر کے اکبر نے جہر النساء کا کلیجہ شیر افکن خاں سے پڑھوا دیا اور یہ نو نہال گلزار کمال شیر افکن کی آغوش میں دیدی گئی اب تک تو شیر افکن کے چند ہی حاسد تھے مگر اب اس تعلق نے اُسے شہزادہ سلیم کا حریف و رقیب بھی بنا دیا سلطنت کی ملازمت پھر حریفوں کے مقابلہ بڑا سخت تھا۔ شیر افکن مست ہاتھیوں کو گرا سکتا تھا۔ بہو کے شیروں کو مار سکتا تھا لیکن حریفوں اور حاسدوں سے مقابلہ کرنا اوس کے امکان سے باہر تھا جہر النساء کی محبت نے اوس کا دل کمزور کر دیا تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ میں سب سے عہدہ بڑا ہو سکتا ہوں لیکن شہزادہ سلیم کی طفلانہ ہٹلی طبیعت کے جوش سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ یہ سوچ کر وہ اپنی جاگیر بردوان میں بہ اجازت شاہی مقیم ہوا اور وہاں جہر النساء کے گلزارِ عشق سے بلا خوف و ہراس دیدہ طینتان گل چینی کرنے لگا۔ جہر النساء کی مان ہی اوس کے ساتھ تھی۔ اور یہ سب کے سب سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔

خاکستر عشق کا اشتعال

جب شہنشاہ اکبر کا بہانہ حیات لہریز ہوا۔ اور اس نے دعائی اجل کو لبیک کہا تو
 ۱۶۰۵ء میں عثمان سلطنت شہزادہ سلیم نے اپنے ہاتھ میں لی اور اپنا لقب چہانگیر
 رکھا اب سے ہم ہی شہزادہ سلیم کو چہانگیر ہی کے نام سے مخاطب کریں گے۔
 تخت پر بیٹھے ہی جب انعام امویہ سلطنت سے فراغت حاصل ہوئی۔ اوتھام
 سلطنت اچھی طرح قابو میں آگئی تو چہانگیر کے دل میں عشق مہر النساء کی جو
 چنگاریاں دبی ہوئی تھیں ایک دم سے بہرک اُٹھیں ان کا سدور اس کے دل میں
 چمک پیدا کرنے لگا۔ اور یہ مہر النساء کو حاصل کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہوا
 ایام جوانی پھر شہنشاہی وصاحبقرانی، حکومت بھی موجود، طاقت بھی یسوار
 سب پر مسترد عشق نہفتہ۔ پہلا اب کون تھا جو اس کے بڑے ہونے پر خوش
 کر و کتا اور رُک کی ہوئی طبیعت کو ادھر سے باز رکھتا اسکا جوش محبت لیکدم
 بڑھا۔ اور سیلاب انعام کی صورت اختیار کرنے لگا وہ شیر انگن کی بہادری
 اور جنگوں سے واقف نہ تھا۔ اس لیے سوچنے لگا کہ کوئی ایسی تدبیر جو نیک جاتے
 کہ بلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آسے۔ سوچتے سوچتے اس نے ایک تدبیر
 سوچی اپنے رضاعی بھائی قطب الدین کو کلتاش بلا کر اپنے جذبات دلی کا اظہار
 کیا۔ اور اسے اپنا بھرا بھائی کرنا لگا کہ وہ صوبہ دار مقرر کیا۔ اسے تاکید اکید کی گئی کہ بنگال
 میں پہنچتے ہی شیر انگن سے مہر النساء کو طلاق دلو اسے کی کو بخش کرے اور اگر وہ
 طلاق نہ دے تو اسے قتل کر کے مہر النساء کو دار السلطنت میں بگھنٹت بچا دے۔

ادھر تو قطب الدین کو کلتاش بنگالہ کی صوبہ داری پر مامور ہو کر اگرہ سے چلا ادھر
 شیر افغن خاں کے وکیل نے جو دربار جہانگیر میں ہر وقت حاضر رہتا تھا اس واقعہ
 کی خبر شیر افغن کو پہنچائی شیر افغن خاں فوراً متاثر کیا کہ اس جدید تقریر سے جہانگیر
 کا مطلب کیا ہے اور اس کی تہ میں وہ کس قدر گہرا کام کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ان
 خیالات سے متاثر ہو کر اس نے فوراً اپنی ملازمت کو استعفا دیدیا اور اس سے پہلے
 کہ قطب الدین بنگالہ میں اپنی صوبہ داری کا جھنڈا گاڑے اس نے رہا میا نہ لباس اور
 اسلحہ وغیرہ سب اپنے جسم سے دور کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا شیر افغن
 جہانگیر کے جوش رقابت کا مقابلہ مردانہ وار کرنا چاہتا تھا اس کے پہلو میں ایک غیور
 دل تھا۔ وہ مہرالنسا کی محبت پر شاہی ملازمت کو ترجیح دینا پسند نہ کرتا تھا۔ اور وہ
 بھگتتا تھا کہ میں سنہری چڑیا کو گلزار جہانگیری سے اڑا کر لایا ہوں اس کے دوبارہ
 پہانے اور صید کرنے کے لئے جہیز نکلیاں ضرور توڑی جائیں گی دسٹے اوسنے
 بھی بہتر سمجھا کہ تعلقات خادمانہ سے کنارہ کش ہو کر اپنی محبت کی حمایت مردانہ
 کرے اور حتی الامکان جہانگیر کی رقابت کو باہر آدھونے دے قطب الدین نے
 بنگالہ پہنچتے ہی شیر افغن کے نام حاضری کا حکم نامہ بھیجا مگر اب شیر افغن شاہی ملازم
 نہ تھا کہ قطب الدین کا حکم پاتے ہی سر تسلیم خم کر داند ہو جاتا دسٹے اوس کے
 متواتر احکام کی بھی کچھ پرواہ نہ کی اور اسودگی دیکھوئی کے ساتھ اپنی جاگیر
 ”بردواں میں“ خاموش بیٹھا رہا قطب الدین جس کام کے لئے مامور ہوا تھا ابھی وہ
 کام باقی تھا اس کے آسنے خود بردواں کی راہ لی اور کیفیت ایک صوبہ دار کے نہیں
 بلکہ ایک دوست کے شیر افغن کو ہر اہم ملاقات بیجا شیر افغن اس سوز ملتا

مگر اوسکی شجاعت و بہاوت نے قطب الدین سے نہ ملے پست جہتی سے تعبیر
 کیا اور گہر میں عورتوں کی طرح چپ کر بیٹھ جانا سے پسند نہ آیا۔ وہ اٹھا ایک
 بکڑا اور اسکے اوپر لمبی آستینوں کا پوستین پہنا۔ ایک زہر میں بھیجی ہوئی تلوار
 آستین میں چھپائی اور چند گہراہیوں کی معیت میں شیروں کی طرح رقیب جہانگیر
 کے پیامی سے ملنے کے لئے بیباکانہ جلا۔ جب شیر افکن قطب الدین کے نیمہ
 میں پہنچا تو اوسکا بڑے تپاک اور گر جوشی کیساتھ قطب الدین نے استقبال
 کیا۔ بشمایا ہوجراج پوچھا اور کہنے لگا کہ شیر افکن یہ تم جانتے ہو کہ شہنشاہ
 جہانگیر کو مہر النساء سے بچپن کی محبت ہے وہ اسکے ساتھ کھیلے ہیں اور اسکے
 تیر عشق سے ادن کا دل بدلتا ہو چکا ہے ایسے اب مناسب یہی ہے
 کہ تم اوسے طلاق دیدو اور شہنشاہ جہانگیر سے خلعت درہاست حاصل
 کرو۔ وہ تمہیں اتنا کچھ عنایت فرمائیں گے کہ تم مہر النساء جیسے دس عورتیں
 اپنے نکاح میں لاسکتے ہو۔ شیر افکن کے تیور دیکھ کر قطب الدین نے کہا کہ
 قطب الدین کی یہ گفتگو اوسکے دل کے ساتھ جہر و تشکر کا کام لے رہی ہے مگر
 وہ کمزور نہ تھا جو فوراً ہر گت اٹھ اٹھ کر اسے کہانی بنی سے قطب الدین کی ہر بات
 کا جواب ارادہ سے دیتا تھا۔ آخر میں صاف کہا کہ جہاں نہا کسی کی نکاحی
 عورت نہ لکھنے والے سے مجاز نہیں ہیں یہاں تو یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ہاں
 اور وہ شیر افکن کے ہمراہی گرفتار کئے جاتے لگے اور کئی آوازیں اور شور مچیں
 شیر افکن بچھا اور قطب الدین سے کہرا ہو کر کہنے لگا کہ میرے آدمی کس قسم
 میں گرفتار کئے جا رہے ہیں یہ کیا ناہر دانہ واقعات ہیں کیا مجھے دھوکا دیا

جار ہے۔ قطب الدین اسی انتشار میں جا رہا تھا کہ شیر افگن کی بدحواسی کا
 جواب بھڑ سے دے کہ شیر افگن نے پھرتی کیسا قہر آستین سے تلوار نکالی اور
 اس روز سے قطب الدین کی پیٹھ میں ماری کہ اسکی آنکھیں نکل پڑیں اور وہ
 سر دھو کر ذرا اسی دہریں میں ہی رہ گیا۔ قطب الدین نے جن لوگوں کو شیر افگن
 کے قتل کرنے کے لئے پہلے ہی سے چھپا رکھا تھا۔ وہ چاروں طرف سے دوڑ
 پڑے ایک آدمی اتنے مسلح سپاہیوں پر کیونکر غالب آتا۔ آخر ایک کشمیری کے
 ہاتھ سے شیر افگن زخمی ہو کر گر پڑا اور پھر جانبر نہ ہو سکا ترک چھا گیری میں
 اس واقعہ کو جہانگیر نے اپنے قلم سے اس طرح تحریر کیا ہے ”علی علی استا بخو کہ سفر
 جی شاہ اسماعیل دانی ایران بود بعد از فوت بنابر شہادت وقتہ انگیزی کہ در
 طبیعت داشت یک تختہ بقندہ ہار آمد در ملتان ملازم خان حاتان شہر خانان
 اور اداخل بند ہا سے عرش آشیانی ساخت۔ درستہ در خیمت والد بزرگوارم
 بود در ایامیکہ خود بدولت متوجہ ولایت دکن شدند و مرا بر سر رانائین فرمودہ
 آمدہ نوکر من شد۔ ورا بختاب شیر افگنی صرغ از ساختم۔ چون ازالہ آباد بخت
 والد بزرگوارم آہم بنابر اتفاقائی کہ نسبت من بظہور رسید اکثر ملازم و مردم
 من متفرق شدند۔ اہم دریں وقت از خیمت جاری اختیار نمود بعد از جلوس
 از دے حروت تفصیلت اور در نظر نیا در وہ در صوبہ بنگالہ حاکم جاگیر کردم
 از انجا اخبار رسید کہ امثال من قتلہ جہاں را دریں ولایت گذشتن
 نیست بقلب الدین خان حکم رفت کہ اور ایدر گاہ فرسندہ و اگر خیال
 و باطل کند بستر سازند۔ خان مشارک الیہ اور ابوالوحی سے شناخت پامرد

کہ حاضر ہوئے بجز در سیدن حکم بہر دوان کہ جاگیر او بود بلغا نمود۔ علی قلی خان چوں ادر سیدن قطب الدین خاں خبردار شد تنہا پادو جلو دار باستقبال او متوجہ گردید بعد ادر سیدن در آہرن میاں خوج خاں مشا را لہ مروم اورا فر دمیگیر نہ او چوں فی الجملہ اذین روشن قطب الدین خاں بہ منظرہ شدہ بود از دسے فریب میگوید کہ ایں چہ روغن تو برگشت، خاں مذکور مردماں را منع کردہ تنہا با او ہمراہ مے شو کہ مضمون حکم را خاطر نشان سازد۔ دیں وقت فرستہ جنتہ فی الفرد شمشیر کشیدہ دوسہ زخم کاری پاد میرساند چن ابنہ خاں کشمیری زحاکم زادہ ہائے کشمیر بود بخاں مشا را لہ نسبت و محبت تمام داغست از رو حلال نگہی و مردانگی خود را رسانیدہ زخم کاری بر سر علی قلی زد و ایں متغنی شمشیر پانہ خاں زدہ زخمش کاری افتاد چوں قطب الدین خاں را بایں حالت دیدند۔ مردم بجوم آوردہ اورا پارہ پارہ ساختند و چہنم فرستادند۔ آمید کہ ہمیشہ در چہنم جائے آں بخت درد سیاہ بودہ شد۔ ابنہ خاں ہماں حبا شہادت یافت۔ و قطب الدین خاں کو بعد از چار پیر در منزل خود و چہنم انہ دی ہوست۔

اپنے تقریری بیان میں جہانگیر نے ہر النسا کا ذکر کہیں نہیں کیا ہے۔ بلکہ شیر افگن کے قتل کو بڑے ٹھیکہ سے وابستہ کیا ہے لیکن عام مورخوں کا اتفاق ہے کہ جہانگیر نے شیر افگن خاں کو صرف جویش رقابت سے مجبور ہو کر قتل کرایا۔ اور اپنے دلی بغض اور ضبط کا انتقام اس طرح لیا

مہر النساء جہانگیر کے اختیار میں

”پرانے بس میں پڑ کر تھر رہے مجبور ہو جانا“
 قطب الدین کو کلاش اور شیر افغن کا قتل کوئی معمولی قتل نہ تھا۔ سارے بنگالہ
 میں ہل چل مچ گئی۔ بردوان میں قیامت سی بپا ہو گئی عصمت بانو والدہ
 مہر النساء کو جب شیر افغن کے قتل کی خبر پہنچی۔ تو وہ سمجھ گئی کہ اوسکی اور اوسکی
 لڑکی مہر النساء کی قسمت اب ایک اور پٹا لینے والی ہے مہر النساء اپنی چھوٹی سی
 لڑکی کو چھانی سے لگائے ہوئے (جو شیر افغن کے صلب سے تھی) ایک کونہ
 میں بیٹھی ہوئی رو رہی تھی اسے فی الحقیقت شیر افغن سے محبت نہ ادا
 وہ اسے دل سے چاہتی تھی۔ اسلئے بے اعتیاری کی حالت میں اسے
 آنسوؤں سے چشمہ زار بنا ہوا تھا اور آنکھیں روتے روتے مٹرخ ہو گئی تھیں
 یہ حال دیکھ کر عصمت بانو بیگم نے اسے سمجھایا کہ لڑکی دیوانی ہوئی
 تجھے اپنی زندگی میں خدا جانے کتنے انقلاب دیکھنے ہیں۔ یہ تو تیری زندگی
 کا پہلا سانچہ ہے۔ عاشقند اور تعلیم یافتہ ہو کر اس قدر دل بہا کر کرنا اور
 انجام کار پر نظر نہ ڈالنا تیری ذات سے متوقع نہیں ہے۔ صبر کر اور دیکھ کہ
 وہ خدا جس نے تیری لقی و وق سنان میدان میں بدلی تھی اس بھی
 دوری کے عالم میں کیا لگا ہے اور بردوان کے چند با اثر لوگوں نے اپنی سرخرو
 کے لئے سوچا کہ نثار اس کام سے پہلے مہر النساء اور اوسکی والدہ کو جلد از جلد
 اگر ہچکچا دیا جائے تو مرہم خسروانہ کا باعث ہو گا۔ یہ سوچ کر چند لوگ

عصمت بانو بیگم کے پاس گئے وہ اپنے دل میں پہلے ہی سے تہمت کے بیٹھی تھی۔ فوراً اپنی بیٹی اور لڑائی کو بیکر آگرہ کی طرف ادین لوگوں کیساتھ رادانہ ہو گئی اور ہر تو یہ سرگوار قافلہ آگرہ پہنچا اور دہشتہ شاہ جہانگیر کا حکم حاکم بدوان کو پہنچا کہ مہر النساء اور اسکی ماں کو فوراً آگرہ کی طرف روانہ کر دو۔ اس کے جواب میں اوسنے لکھ بھیجا کہ وہ قبل حصہ دہ حکم آگرہ کی طرف بہ عزت و احترام روانہ کر دی گئیں جب مہر النساء اپنی اماں کے ساتھ آگرہ پہنچی اور شاہی محالوں میں آئی تو دوسرے دن جہانگیر نے اوسکا عذر یہ لیا اور ایک خادمہ کے ذریعہ سے دریافت کروایا کہ اب اوسکا اپنی آئندہ زندگی کے متعلق کیا خیال ہے۔

مہر النساء نے صاف کہلا بھیجا کہ میں تو اندرہ زندگی ہو گئی میں اپنی عمر کا شائبہ کرتی ہوں اور ایسا ہی کر لگی بھی۔ مہر النساء کا یہ جواب صاف موجب جہانگیر نے سنا تو وہ کچھ زیادہ پریشان بنیں ہوا اور سمجھا کہ شیر افکن کی موت کا زخم ابھی اوسکے دل پر تازہ ہے۔ رفتہ رفتہ جب اندہ مال پذیر ہو گا تو پھر دیکھا جائیگا یہ سب کچھ اوس نے سلطانہ سلیمہ بیگم زوجہ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

کو بلا کر مہر النساء کو ان کے حوالے کر دیا کہ وہ اپنے مرحوم بیٹے قطب الدین کو تلاش کا اس کو معاوضہ سمجھے۔ سلطانہ سلیمہ بیگم کچھ نادان تو تھیں جو جہانگیر کے اس دھوکہ نہ پہچانتیں وہ کچھ گئیں کہ مہر النساء کی حویلی شہنشاہ کا کیا مطلب ہے دیرس کی متواتر صحبت اور یکجائی نے مہر النساء کی طبیعت کو بہت کچھ جہانگیر کی طرف مائل کر دیا۔ جیسا کہ ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ مہر النساء نے ایک گلہ زارہ زکس کا تیار کر کے

بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور اسی کے ساتھ یہ مصرع بھی لکھ کر نذر کیا
نیت زر گس چشم قدرت کر دشتی روئے تو
اسکے جواب میں جہانگیر نے یہ مصرع لکھا۔

مصرع

ساش باث نور ہم در زر گس دلجوئے تو
چونکہ شہنشاہ جہانگیر کا نام ”نور الدین“ تھا اسلئے اس مصرع میں لفظ نور
جو معنی پیدا کرتا ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔ اس مصرع کے جواب میں مہر
نے یہ شعر لکھ کر بھیج دیا۔

شعر

نور اور چشم از روز ازل جاوید اند
بنیم اندر پردہ با پنہاں جمال روئے تو

مہر النسا کی شادی جہانگیر سے

جب اس حالت میں مہر النسا کو سلطانہ سلیمہ بیگم کی نظر بندی میں رہتے رہتے
اس سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ تو مہر النسا کو سلطانہ موصوفہ نے بہت کچھ
اور نظر از بچھا بچھا کر نکاح ثانی کی طرف راغب کیا اور اسکی سہیلیاں
اور حیات النسا بیگم وغیرہ مہر النسا کو ہر وقت ترغیب دیتی رہتی ہیں۔
مہر شہنشاہ جہانگیر نے مہر النسا کے باپ اور بھائیوں کے مناصب بڑھانے کی طرف
توجہ کر دی۔ غرض کہ باحسن الوجہ جہانگیر کی محبت اور توجہ نے مہر النسا کے دل کو
موم کر ہی لیا۔ ایک دن موقعہ پا کر سلطانہ سلیمہ بیگم نے مہر النسا کو شہنشاہ

جہانگیر کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ آنکھوں کا چارمونا تھا کہ ایک تیر عشق از سر نو
 کلیجہ کے پار ہو گیا۔ ادھر مہر النساء کی نگاہیں بھی جھک گئیں۔ سلطانہ نے
 اسکی عصمت و عفت پر و باری، تحمل، اور ضبط شباب کی کیفیت حضور
 بادشاہ میں عرض کی پہلا اب جہانگیر کو تاب ضبط کہاں تھی، چنانچہ اپنے
 سال جلوس کے چھٹے سال یعنی سنہ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے بڑے ترک و جشام
 اور شاہانہ جلوس کے ہاتھ مہر النساء سے شادی کر لی اور مہر النساء کو ”نور محل“
 اور ”نور جہاں“ کے روشن خطاوت حضور شاہ سے عطا ہوئے۔ نور جہاں کی
 ایک مہر علیحدہ بنی۔ جس میں کندہ تھا

نور جہاں گشت بفضل اللہ ہدم و ہراز جہانگیر شاہ

نور جہاں کی شاہانہ زندگی پر ایک نظر

جب نور جہاں بادشاہ سکیم ہوئی اور اسے نور الدین جہانگیر بادشاہ ہندوستان
 کی ملکہ بننے کا فخر حاصل ہوا تو اس نے اپنی پوری لیاقت و توانائی کے ساتھ
 بادشاہ کی نگاہوں میں اپنا اعتبار اور اسکے دل میں اپنا وقار قائم کر لیا۔ وہ
 عدالت کے وقت پردہ میں اپنے شوہر کے ہمراہ بیٹھتی اور مقدمات سنتی اور
 ان کا فیصلہ اون کی رائے سے ہوتا۔ ہر ہم سے ہم اور نازک سے نازک
 معاملہ کو اس خوبی اور انصاف کے ساتھ سلجھاتی کہ بڑے بڑے مہر ان سلطنت
 داتوں میں انگلیاں اب کر چھاتے فرہین شاہی کی پیشانیوں پر عبارت ہی لکھی جاتے تھے
 بحکم علیہ عالیہ محمد علیا نور جہاں بادشاہ

سکہ رائج الوقت میں بھی اوسکا نام شہنشاہ جہانگیر کے ساتھ منسلوک ہونے لگا اور یہ عبارت کندہ ہونے لگی۔

بحکم شاہ جہانگیر بافت صد زیو نیام نور جہاں بادشاہ بیگم نہ
وہ نہ صرف معدلت بنی اور عیال آرائی میں بادشاہ کا ساتھ دیتی تھی اور اسکی مشیر
خاص تھی بلکہ اُسکی تقریروں میں بھی اُسکا ساتھ دیتی تھی چنانچہ شکار گاہوں میں
وہ اُسکے ساتھ ہاتھی پر بیٹھکر جاتی اور شیروں کو نیزوں سے شکار کرتی تھیں
پہرتی اور چابک دستی کیساتھ کہ بعض اوقات جہانگیر ہی منہ دیکھتا رہ جاتا تھا
چنانچہ ایک روز شہنشاہ جہانگیر سے اپنی بیگم یعنی نور جہاں کے شکار کو گپا بگپ
میں چار شیر گھیر کر لائے گئے۔ نور جہاں نے کہا کہ میں گولی لگاؤں گی۔ بادشاہ
نے مسکاکر کہا تم عورت ہو شیر کا شکار مردوں کا بانا ہے۔ یہ الفاظ سن کر
کے منہ سے نکلی ہی گئے کہ نور جہاں کی بندوق سے گولی نکلی اور ایک ایک
کر کے چاروں شیروں کو چپت کر دیا۔ نور جہاں اپنی اس چابک دستی اور پسی سے
خود بھڑک اٹھی اور اُس کی زبان سے یہ جہت یہ ذومنی شعر نکل گیا۔

نور جہاں اگرچہ بصورت زن است و صف مردان زن شیر افکن است
اگرچہ مصرع ثانی میں زن شیر افکن کے ایہام سے جہانگیر چونکا لیکن چونکہ
نور جہاں نے حقیقت میں اوسوقت شیروں کو مار کر گرایا تھا کچھ نہ کہہ سکا اور
آپسے گزشتہ دعا دی یاد کر کے تادم ہو کر رہ گیا۔ شکار میں اسقدر مشق پیدا
کرنے کی وجہ نہ صرف وہ ابتدائی مشق و تعلیم تھی جس نے نور جہاں کو فنوں
سب گری سے ایک حد تک واقف کر دیا تھا بلکہ شیر افکن جیسے دلیر و دلاؤ

اور جنگجو بہادر کی معیت و صحبت نے اسے ان کاموں کا ذاتی تجربہ بھی کر دیا تھا۔ اور بردوان کے جنگلوں میں وہ اکثر اپنے شوہر کے ساتھ شیر و گائیکار کہیلا کرتی تھی۔ نور جہاں کی زندگی چونکہ شروع سے شاہانہ زندگی کے دوش بدوش رہی، اور اوس کے خمیر میں شاہی خوبو خاندانی طور پر پروردہ تھی اس لئے اب جہانگیر کے حرم میں داخل ہوجانے کے بعد اسے کسی قسم کے نقص اور بناوٹ سے کام لینے کی ضرورت نہ پڑی بلکہ اوسکی ہر ادا اور ہر وضع شاہی الطوار و اخلاق کا بننا یا نمونہ تھی

مذہب

نور جہاں مذہباً تو مسلمان تھی مگر عقائد کی رو سے وہ بڑی بچی شیعہ تھی اور شیعیت ہی کا اثر تھا کہ ایران سے بڑے بڑے شیعہ مجتہد اور علما جہانگیر کے دربار میں بلائے گئے تھے اور بہت سے شیعہ فضلا خود نور جہاں کی خدمت میں مامور ہوئے تھے۔ وہ مجالس محرم شریف اور چہلم میں ہزاروں کی روپیہ صرف کر دیتی تھی اور انہیں بار و ترق بنا نے میں کوشش کرتی تھی۔ اکثر معلموں کو ہر سال مکہ معظمہ حج کے لئے اور مدینہ منورہ انجف اشرف، کربلائے معلیٰ، مشهد مقدس وغیرہ مقامات میں بغرض زیارت اپنے صرف سے بھجواتی تھی۔ حضرت قاضی نور اللہ شستری بھی جنکا حزارا گڑھ میں دیوانی پکھری کے پاس واقع ہے اور جو اہل تشیعہ میں ایک بہت بڑے مجتہد بزرگ تھے۔ نور جہاں کے ایما رہی سے یہاں ایران سے تشریف لاتے تھے، اور ایسے ایسے مہیا یوں صاحب کمال اوسکے دامن دولت سے وابستہ تھے جنکو ہزاروں روپیہ ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ اور انکا احترام بادشاہ خود بھی

کرتا تھا۔ گو جہانگیر اور جہانگیر کا سارا دربار سنی تھا۔ مگر ایک نور جہاں کے شیعہ ہونے سے اسکے دربار میں ہی شیعیت کا رنگ چھڑک کر رہا تھا۔ دسٹے مقدس مقامات کے لیے پیر و مرجع کر لئے تھے۔ جو ایک خاص جگہ بعد احترام رکھے گئے تھے۔ خاص مواقع پر نور جہاں اور نجاتیاف کی زیارت کیا کرتی تھی نور جہاں کے حکم و ایما سے بہت سے شیعہ مدبر و راکنین سلطنت میں ہی داخل کر لئے گئے تھے۔

عفت نور جہاں

اس میں شک نہیں کہ سلطنتِ سربراہانِ سلطنت کے محلوں میں پردہ کا نہایت موزوں انتظام رہا کرتا تھا اور مردوں اور عورتوں کے اخلاق میں تہذیب کی جھلک بہت زیادہ نظر آتی تھی تاہم نور جہاں کی عفت کو شہی قابلِ داد حسین ہے کہ چودہ برس تک حرمِ شاہی میں رہی لیکن اپنی عفت کو لپیٹائی ہوئی نگاہوں سے بچایا عیش و عشرت کی بادشاہِ کدوں میں کیا کمی تھی، دنیا کے جذبات انگیز سامان ہر وقت نگاہوں کے سامنے رہتے تھے اور گو وہ اس عمر تک کیفیتِ شباب کی لذت، چش نہ تھی تاہم کتابوں کے دیکھنے اور دن رات کے مطالعہ سے اس پر یہ اچھی طرح ظاہر تھا کہ جوانی کی کیفیت کو مردانہ ہاتھوں کے جسکی ضرورت ہے۔ پہر ہی تمام شاہزادگانِ قلعہ سے اسے اپنی عفت کو محفوظ رکھا اور کہی اسکو کچھ میں قدم نہ رکھا جس میں ہر قدم پر رسوائی اور ذلت کے کنوئیں موجود ہوتے ہیں۔ وہ جہانگیر کی نگاہوں میں جگہ پانے سے پہلے صرف عورت تھی اور صرف عورت ہونا بہت ممکن تھا کہ اسکو غلط راستہ پر لگا کر طبع اور حرص و ہوا کا بندہ بنا دے مگر شرفِ نفس

نے اسے عزت نفس پر مجبور کر رکھا تھا اور وہ غایبہ اور زارہہ کو لڑکیوں کی طرح اپنی
عفت و عصمت کی نگاہداشت میں بہت زیادہ توجہ گزار رہتی تھی۔ اسکی عفت کوئی
اور عصمت اندوزی کا امتحان نہ ملنے اسوقت ہی لیا۔ جبکہ وہ شیر افگن خان کے
مرہنیکہ بعد شاہی نظر بند ہو کر سلطانہ سلیمہ بیگم کے گھر میں رہی اب وہ لذت شباب
اور کیفیات جوانی سے لذت آشنا ہو چکی تھی، اور شیر افگن کی گرجو شاہ جھجھتوں نے
اوسکے جذبات کو جسم کے ساتھ او بھار دیا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ وہ یہاں آتے ہی
جہانگیر کے محلول میں اوسکے ایما و تمنا کے موافق دخل ہوا، یا دیگر شاہزادگان
شاہی و اراکین سلطنت میں سے کسی کو اپنے قابل سمجھ لیتی مگر واہ رے عصمت کہ
نور جہاں نے کامل دو سال صبر و تحمل میں کاٹ دئے۔ اور زبان سے کیا اشارتا
و کنایتا بھی اپنے جذبات کی پراگندگی و بیان کا اظہار نہ کیا۔ اس عرصہ میں برسات
ہی آئی جائے ہی آئے گرمیاں ہی آئیں بہاروں نے دنیا کے باغوں میں جھولے۔
ڈلے جھولوں میں مستانہ بینکیں ہی پڑیں۔ مجلس کشنای میں نعمہ سراں ہی ہوئیں
ناکتی الزکیوں کے بیاہ بھی ہوئے، مگر یہ مغرب عصمت کی دیوی صبر و ضبط کئے ہوئے
دو برس تک خاموش ہی بیٹھی رہی۔ اس زمانہ سکونت میں جہانگیر نے اسے قابو میں
لانے اور اپنی ملکہ بنانے کی سیکڑوں کوششیں کیں لیکن نور جہاں کی عفت نے
اون سب کو ناکام رکھا ہی وجہ تھی کہ جہانگیر کے دیس نور جہاں کی محبت روز افزوں
ترقی کرتی جاتی تھی اور وہ جسقدر اغماض کرتی تھی اتنی ہی آتش شوق تیز ہوتی تھی
اور وہ جسقدر اوس کا خاندانی ورثہ تھی اوسکی ماں کا نام عصمت النساء بیگم تھا جس نے
اُسے طفلی ہی سے عصمت کا سبق حفظ کرا دیا تھا اور جسکی نگرانی اوسکی عصمت و عفت

کو غور رکھنے کیلئے گویا ایک خاص سبب ہی جس نے نور جہاں کو معصوم بچہ نے میں بہت زیادہ درد کیا

نور محل

قلعہ شاہی میں نور جہاں کو ایک خاص محل دیدیا گیا جس کا نام نور محل تھا اس محل کو زیبائش دینے اور سجانے میں ہر ممکن کوشش کی گئی تھی اور گویا یہ کوئی خاص اقتدار دوسرے محلوں سے نہیں رکھا تھا تاہم نور جہاں کی جدت پسندیوں نے اسکے درو دیوار کو روشن فروش بنا رکھا تھا۔ تمام محل کی عورتیں اور کنیزیں ہر وقت انتظار تہذیب و تربیت میں لگی رہتی تھیں۔ صفائی کا یہ عالم تھا کہ نگاہیں پڑنے سے بھی فرش میلاتا تھا۔ محل کے کئی حصے تھے مثلاً پھول محل گلگدہ سوسن مندر، لالہ چمر، دھیرہ وغیرہ خلوت کہہ خاص میں روز خوش رنگ اور خوشبو تازہ پھول منوں صرف ہوتے تھے۔ پھولوں سے قسم قسم کی گلکاریاں کھاتی تھیں۔ کیا سیان بنائی جاتی تھیں۔ کلیوں سے دروازے کے پردے بنائے جاتے تھے اور سہریاں پر کلیاں اس طرح چنی جاتی تھیں کہ اگر شمع گل کر دی جائے تو یہ معلوم ہو کہ چاندنی چٹکی ہوئی ہے ہزاروں قسم کے فانوس اور قرآدم آئینے سے لکھے جاتے تھے۔ فانوسوں میں رات کو ہزاروں قسم کی روشنی ہوتی تھی۔ دیواروں پر چوہنہری بیل بوتے جانا عال عجم و ہند کی اعلیٰ دستکاریوں سے بنائے گئے تھے وہ اس روشنی میں ایسے بے نظیر اور لاجواب معلوم ہوتے تھے کہ دیکھنے والے کی نگاہیں حیران رہ جاتی تھیں اور یکایک چکا چوند پیا ہو جاتی تھی۔ آہ آج کوئی آس بہشت پیکر نور محل کو دیکھے نہ وہ سامان ہیں نہ وہ گلکاریاں ہیں۔ فانوس اور آئینے

تو خیر عہد سلطنت کی نمایاںوں کے ساتھ ساتھ گئے۔ مگر درو دیوار کے نقوشن پرین
 بھی خاک میں ملے ہوئے پڑے ہیں، جہاں نور جہاں کلیوں کی سیجوں پر خواب ناز
 میں مصروف ہوتی تھی وہاں ابابیلوں اور چمگاڑوں نے اپنے اشیانے بنائے
 ہیں جہاں عطر کے قمر بے اور گلاب کے شیشے دن رات کھلے رہتے تھے وہاں
 اب بغیر ناک بند کے جانا مشکل ہے جہاں رات کو بھی صبح فردوس کا عالم دہاتا تھا
 وہاں آج دن کو شب دیکھ کر کسی تاریکی پہچانی ہوئی ہے۔ آہ! مکتویوں سے کون کہے
 کہ جن دیواروں پر تھنے جال اتنا ہے یہ دیواریں نور جہاں کے خسار رنگیں کا آئینہ ہیں۔
 انہیں اس کے حسن عالم تاب کی یاد گار رہنے دو! انگوٹوں میں تم اپنا سفید جال نہ
 بچھاؤ جنہیں اوس کے پھولوں کی جھلک برسوں رہی ہے۔ افسوس! ابابیلوں
 چمگاڑوں کی کھجھک سے کہ جن مقامات پر تم بیت اور سیگنیاں پھیلا رہی ہو
 جہاں کلی اور جہاں پاجڑ اذریہ کہتی تھی۔ اور یہاں اوس کا فرش خواب بچھتا تھا
 یہاں کھٹکتی تھی، یہاں وہ بیٹھتی تھی اور یہاں اپنے عطر آگین جسم نازک سے
 نور اور سرور کی کرنیں ڈالا کرتی تھی۔ آہ! انقلاب نے ان تمام آرائشوں کو خاک
 میں ملا دیا۔ اگر نور جہاں اب پیدا ہوا اور قلعہ میں آکر اپنے محلوں کی حالت زار
 دیکھے تو اوسکو کبھی یقین نہ آئے کہ ایک دن یہ آجڑے ہوئے دیرانے اوسکے
 برکت اندوز قدموں سے آباد تھے اور وہ ہمیں دلوں پر حکومت و شاہی کتنی تھی
 کیسا اورنگ شہی کیسا فکوحہ سلطنت کیسا ایوان مرصع کیسا قصر دربار
 سیر کے قابل نہیں دنیا کا کوئی سین آہ ہے تماشہ گاہ ہستی ہی عجب عبرت سرا
 کون چن کر لیکیا وہ پتھوں اس گلزار کو چارون کلیوں کے ہنکے دل جو بھلا یا تو کیا

کیسا جیفہ کیسا طرہ کیسی کلفی کیساتج
 لیکیا سر پہ اٹھا کر افسردہ رنگ کون
 وہ ملوک ہفت کشور وہ شہ والا نژاد
 کانپتے تھے جن کی صورت سے زمین آسمان
 چمکے در پر بیج رہا تہا روز و شب کوس فخر
 ہاتھ آیا ہستی فانی سے کچھ ہی وقت مرگ
 ہیں یہ بے نیل کے چکر دی در غل بند مرگ
 ایک مرقع خواب تہادہ ظلم دل فریب
 اب نظر آتا نہیں وہ تختہ اور نگاہ جیف
 اک فسانہ خواب عبرت کا ہو ایسی سرنگد

تخت شاہی پہر کہاں جب آگئی سر قضا
 چل بسے دار فحاشے سینکڑوں فرمانروا
 جن کی نصرت کا علم لہرا رہا ستھا جا بجا
 جنگی سطوت دیکھ کر شیر دل کا دہرہ آٹیا
 جیسے سر پہ تہا پہا نڈاری کا سہا سج رہا
 لے گئے دنیا سے کچھ ہی یاس حسرت کے سوا
 کون آیا دیکھنے کو تخت زریں کیا ہوا
 کچھ ہی آتا ہو نظرب خاک تہر کے سوا
 کانہیں آئی نہیں اب کوس دولت صدا
 ہستی فانی کی یہ ہے ابتدا و انتہا

پہرہ درمی میکند بر طاق کسری عنکبوت

چنڈ فوبت سے زندہ بر گنبد جہر النسا

نوروز نوران

چونکہ ایران میں رسم نوروز منانے کا طریقہ مدتہا سے دراز سے جاری تھا اور
 شاہان مغلیہ ایران ہی سے ہندوستان کے بہتے اسلئے یہ رسم یہاں بھی پڑے
 تزک و احتشام اور پورے مہینے در اہتمام سے منائی جاتی تھی۔ یوں تو نوروز کے دن
 قلعہ معالی میں ہر جگہ ایک نئی جہل اور نئی خوشی ہوتی تھی۔ مگر نورجہاں کے نور محل میں
 جو طرب اندوزی مسرت افروزی نظر آتی تھی اور سکا پتہ قلعہ میں اور کسی جگہ نہ ہوتا

تھا۔ نورجہاں شیعہ بھی، اور چونکہ نوروز کے دن حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ
 عتہ سند خلافت پر رونق افروز ہوئے تھے اسلئے نوروز کی خوشی میں نورجہاں خاص
 حصہ لیتی تھی۔ اور عیدین کے دن سے زیادہ نوروز کے دن جشن ہوا کرتا تھا جیسکے
 اشتہار میں وہ ہزاروں روپیہ سیڑھنی اور کشادہ دلی کے ساتھ صرف کر دیتی تھی۔
 منجم جو رنگ نوروز کے لئے مخصوص کر لیتے تھے محل کی ہر چیز پر وہ ہی رنگ چھایا
 ہوا نظر آتا تھا۔ مثلاً کسی سال کیلئے سرخ رنگ قرار پاتا تو تمام محل میں سرخ رنگ
 کا فرش بچھا یا جاتا سرخ رنگ کی چھت گیریاں لگائی جاتیں سرخ ہی رنگ
 کے پردے ڈالے جاتے تھے اور نورجہاں بھی اس روز سرخ رنگ کا عودا زیب جسم
 کرتی سرخ رنگ کے زیورات مرصع پہنتی۔ تمام کینز میں غلام، خواجہ سرا، چوہدرہ
 وغیرہ بھی سرخ لباس پہنتے۔ ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، پانکی، بارہ، بھلی، تمام
 سواروں کے غلاف بھی سرخ ہوتے تھے اور یہ تمام سرخ کپڑے علی قہر مرتب
 نورجہاں کا سرکار سے ملتے تھے۔ رات روز تک جشن نوروز قلعہ معلیٰ میں نورجہاں
 کے دم سے رہتا تھا۔ خود شاہنشاہ جہانگیر نورجہاں کی مسرتوں میں شریک ہوتا
 اور ایک خاص وقت دونوں مالک و ملکہ نشہ نشین پر بیٹھتے۔ امر اور وسار اور بھل
 کمال اپنی اپنی جگہ ردق گزریں ہوتے اور باب سوال پر سوال کرتے، اور اصحاب
 کمال قصیدے اور تہنیت نامے لکھ کر نذر دیتے سوال لکھ روپیہ خرق مبارک
 کے نصاریٰ میں نورجہاں اپنے پاس رکھتی۔ جو عین وقت جشن فقر اور کلا میں
 تقسیم کیا جاتا تھا۔ سات دن تک سارا اگرہ دربار نورجہاں سے مستفیض ہوتا تھا
 ہر شخص کی درخواست و التماس پر نورجہاں نوروز کے دن خاص التعمات اور توجہ

دیٹی اور سینکڑوں نامراد باہر ادھر کر اس موقع سے فائدہ اٹھاتے تو ان پہانڈ
 جنم تال نقارچی، شہنشاہی نواز اسقدر انعام و اکرام پاتے تھے سال بہر کے
 لئے فارغ المعاش ہو جاتے تھے۔ شاہی آہر اس روز نور جہاں کے مہاں ہوتے
 اور تمام شاہی محل کی خدراست عہدہ مست مآب نور جہاں کے محل میں رونق افروز
 ہوتیں تو نور جہاں سب سے مصافحہ کرتی اور اداں کی خاطر داشت میں کوئی دقیقہ
 اوشٹھانہ رکھتی۔ رپبلک کی کچپیوں کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا یعنی انہیں
 سات دنوں میں سے ایک دن نور جہاں اور شہنشاہ جہانگیر چلینیں ڈال کر گنم
 برج میں رونق افروز ہوتے اور پیچھے لپ دریا ہزاروں دوکانیں بہترین نمائش و
 آرائش کے ساتھ کھولی جاتیں۔ پھر سامنے سے شہسواران فیلیان اپنے اپنے کتب
 و کمانے ہوئے نکلتے۔ تو اعداداں مبارک باد اور سلامی کا باججا بجاتی ہوتی اور جھرا
 کرتی ہوتی اور سیطرف سے گزرتی۔ حلوائی قسم قسم کی مٹھائیوں سے دوکانوں کو
 آراستہ کرتے کوئی مٹھائی کا درخت بنا تا کوئی مٹھائی کا قلعہ تیار کر تا اور یہ سب کچھ
 بادشاہ اور ملکہ کی آنکھوں کے سامنے لٹا دیا جاتا۔ ان سب کو حسب حیثیت انعام
 ملتا تھا۔ لشکر خانہ سات دن تک جاری رہتا کہ جس کا جی چاہے آئے اور کمانے
 فقر اور مساکین کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ رپبلک کے ہنگامے میں نہ آئیں کہ انہیں
 بھی زحمت ہو اور رپبلک کو بھی تکلیف اور مہانی پڑے اور انکے لئے یہ انتظام تھا کہ شاہی
 پہرے دار انہیں نا کوں ہر روک لیا کرتے تھے اور وہیں انہیں کہانے پینے
 کی اشیاء اور کچھ زر نقد ملوایا کرتا تھا۔ اس طرح شہر میں کوئی بد نصیب بد نصیب
 شخص بھی نور جہاں کی دریا دلی اور نوردی کی فیض سانی سے محروم نہ رہتا۔ لوگ

سال پہر تک اس چین کے مزدوں کو یاد کیا کرتے تھے اور اکثر ہفتہ روز سال پہر تک اس دن کے لئے نئی نئی قسم کی چیزیں بنانے اور عیا کر کے میں مصروف رہتے تھے سات دن تک تمام کاروبار بند رہتے تھے اور دو دور سے خلعت خدا اس نیکو جانی نوروز کی دید کے لئے آتی تھی اور دامن نگاہ میں دوبارہ آنے کی تمنا ہر کر لیا جاتی تھی

نوروز کا گدہ

ایک مرتبہ ایک سادہ لوح مولوی صاحب کو عجب دل لگی سوچیں اور انہوں نے سوچا کہ لڑکوں کو پڑھاتے پڑھاتے دتیں گزرتیں چلو آج تو نوروز کی سیر کریں کوئی ایسا سوانگ بنا کر لے چلیں کہ نورچیاں اور شاہنشاہ دیکھتے ہی لوٹ ہو جائیں اتفاق سے اس سال بحساب نجوم نوروز کی سواری میں گدہ ہاتھا اور رنگ زرد نوروز کے لئے مقرر تھا۔ بس مولوی صاحب نے ایک گدہ پا کر لیا۔ اسے زرد رنگا اور خود ہی زرد رنگ کے کپڑے پہنے ایک کاغذ کا کٹ سر پر کہا تو میں بہت سے شیشے کے ٹکڑے لگا لئے۔ اور پتی ہر طرف چپکلی چہرہ پہ بھی پتی لگائی اور اسے زرد رنگ لیا۔ پہر اس گدہ پر بیٹھ کر آپ ہنستے اور مسکراتے سلام کرتے اور تالیاں بجاتے قلعہ شاہی کے حیمے سے نکلے۔ دولڑکوں کے ہاتھ میں اس گدہ کی رسی تھی مولوی صاحب بائیں ریش و فش اور سپرد نقی افسر و راجو دیکھتا تھا ہنستے ہنستے لوٹ جاتا تھا جب کہ صاحبین حسن و برج کے نیچے سے نکلا تو مولوی صاحب کے شاگرد بھی طرح چلائے گئے کہ آج نوروز کا مبارک جلوہ دیکھو بار بار یہی آواز لگاتے تھے اور مولوی صاحب ہنستے اور سلام کرتے جاتے تھے یہ ایک نورچیاں کی نگاہ جو بدن پر پڑی تو

بے اختیار نہس پڑی ، اور حکم دیا کہ اس نوروز کے گدھے کو پانچ سو روپیہ انعام دے جائیں

ملا نوروز

اسی طرح ایک مولوی صاحب تھے جو برسوں سے اکبر آباد میں آباد تھے اور بنا کرتے تھے کہ نوروز کے دن شاعروں کو بڑے بڑے انعام ملتے ہیں ایک مرتبہ نوروز کے موقعہ پر مولوی صاحب مرزا محمد تقی بخشی کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مرزا صاحب آپ تو ہر سال نوروز کے دن خلعتیں اور انعام و اکرام لیتے ہیں اب کے تو ہمیں بھی کوئی قصیدہ غزل یا رباعی لکھ دیجئے اور ایسی لکھ دیجئے کہ نوروز سننے ہی پہ مرک جائے۔ مرزا تقی نے کچھ شعر لکھ دیے جنہیں لیکر مولوی صاحب بڑے کڑو فر کے ساتھ دربار میں پہنچے مرزا تقی نے مولوی صاحب کے علم و فضل کا حال حاشیے پر چڑھا کر پہلے ہی کہہ رکھا تھا۔ حکم ہوا کہ پڑھو۔ مولوی صاحب مرزا صاحب کا منہ دیکھتے ہوئے ڈرتے کانپتے آگے بڑھے۔ کبھی شاہی رعب داب سے اٹکے جو اس گم ہو جاتے تھے اور کبھی دولت حاصل کرنے کی امید ان کی محبت بندہ بدیتی اتی غرض کہ اسی امید و بیم میں انکی زبان کھلی اور انہوں نے پوری قرأت کیساتھ آغوز باللہ اور بسم اللہ پڑھی ان کی قرأت پر نور جہاں کو منی آئی مگر وہ ایک وقار کیساتھ خاموش ہو گئی اب مولوی صاحب نے یہ ریاضی ہی قرأت سے پڑھتی شریعت کی ریاضی امر دیکر روز سعد باشد پیش پشت علی بخدمت حسن و عمل از جلوہ مہر گشت عالم پر نور ایوان جہانگیر شدہ نور محل نور جہان یہ ریاضی سکر خوش تو ہوئی مگر مولوی صاحب سے کہنے لگی کہ ریاضی بیشک

اچھی ہے لیکن سعد کا نام حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے نام سے پہلے لانا شہیک
 نہیں مولوی صاحب یہ سمجھ کر کہ نور جہاں اس رباعی سے ناراض ہو گئی کہنے لگے کہ
 حضور میں نے ایک رافضی سے یہ شعر لکھوائے ہیں آپیں میرا کچھ قصور نہیں ہے
 اُس ظالم نے میرے ساتھ جہاں ہی مذہبی تعصب نکالا مجھے کیا خبر تھی کہ وہ رباعی
 یہ لفظ آگے چھپ کر کیا حضور میں قسمیہ عرض کرتا ہوں کہ یہ رباعی میری نہیں ہے
 یہ سن کر نور جہاں اور بھی ہنسی اور کہنے لگی کہ اچھا جس سے شعر لکھوائے اسے بلواؤ
 مولوی صاحب نے مرزا محمد تقی کی طرف اشارہ کیا۔ مرزا صاحب آئے اور وہ شعر ان
 سے پھر پڑھوائے گئے۔ تو مولوی صاحب نے کہا دیکھئے حضور انکو ابھی پڑھنے کی بھی
 تمیز نہیں ہے سعد اور علیؑ کے عین کو خلق سے نکالنا چاہئے اور اونہوں نے زبان
 سے ادا کیا۔ نور جہاں سمجھ گئی کہ مولیٰ صاحب محض اک سادہ لوح بزرگ ہیں۔ پانچ سو
 روپیہ اور ایک قبائے رومی دیکر رخصت کیا اور مولیٰ صاحب کا نام ملا نور زکریا بہر
 تو ملا نور روز کی قیمت جاگ گئی۔ وہ ہر روز میں پہنچ جاتے اور نور جہاں ان کی ظرفیت
 اور بھر لے بن سے خوش ہو کر انہیں ہمیشہ انعام دیتی۔ مولوی صاحب سال بہر تک
 اپنا لباس اسی رنگ کا رکھتے تھے جس رنگ کا نوروز کے روز پہنتے تھے۔ اور ایک
 خاص دھبہ کی ٹوپی سر پر ہوتی تھی جس میں رنگے ہونے پر لگے رہتے تھے۔ شہر کا بچہ
 اد نہیں جان گیا تھا اور سب میں وہ ملا نوروز کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ان
 کی یہ سادہ لوحی اس تدبیر سے انہیں ہر سال سینکڑوں روپیہ کا فائدہ کرا دیتی
 تھی جہاں نوروز آیا اور مولوی صاحب کسی سے رباعی یا قصیدہ کہلا کر دربار
 میں پہنچے۔ مگر اُس دن سے پھر کبھی مرزا محمد تقی سے درخواست نہ کی۔ ان مولوی

صاحب کا نام غالباً نور احمد ہی تھا۔ اس کی زیادہ حالات ان کے دستیاب نہیں ہوئے۔

نورجہاں کی ہمدردی بیواؤں و یتیموں کے

نورجہاں اس قسم کے مراسم اور جشن اور مجالس ہی میں اپنا روپیہ صرف نہیں کرتی تھی بلکہ وہ بہت زیادہ روپیہ یتیموں اور بیواؤں کے درماں میں بھی خرچ کرتی تھی۔ ہزاروں یتیم بچے اور سکے یتیم خانے میں پرورش پاتے تھے اور ہزاروں بیوہ عورتوں کے نکاح اوس کے صرف خاص سے پڑھوائے جاتے تھے۔ وہ اس مسکین جماعت میں ”شاہ مادر“ کے نام سے مشہور تھی۔ پھر یتیموں کا انتظام گودیگر منتقلی کے سپرد تھا تاہم ہر مہینہ وہ یہ نفس نفیس خود بھی ان کا ملاحظہ اور معائنہ کرتی تھی اور ان کی تکالیف ان کی زبان سے سنتی تھی اور درماں کی کوشش کرتی تھی اور ان کے آرام و راحت کا اُسے بہت بڑا خیال رہتا تھا۔ اور وہ یتیموں اور بیواؤں کی دعاؤں کو اپنے لئے موجب نجات اور سبب خیر و برکت سمجھتی تھی۔

نورجہاں کی حاضرجوابی

شاہی محلوں کا رہنا سہنا شہزادوں کی ہم جلیسی علم و فضل اور کمال ہیئت نے نورجہاں کو حاضرجوابی میں خاص متناق بنا دیا تھا۔ اوسے کسی بات کا جواب سوچنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی تھی وہ قطر تا قطر اور بذلہ بیخ عورت تھی اور دیگر شاہی خواتین سے اس شخص میں اوس کا ذہن رسا بہت زیادہ پڑھا ہوا تھا۔ تذکرۃ الفقراء میں لکھا ہے کہ علی شاہ درویش کو جب نورجہاں کے فضل و کمال کا علم

ہوا تو وہ ایک دن قلعہ کے پاس پہنچے اور چاہا کہ کسی طرح نور جہاں تک رسائی حاصل ہو مفلوک الحال تھے اور انقباض نے ان کی حالت کو ردی کر رکھا تھا۔ گدڑی کا ندہ بڑھ لے ہوئے جلدی پہنچے۔ مگر اب وہاں تک جائیں تو کیوں کر۔ کبھی دن اس حسرت میں گزر گئے روز جاتے اور قلعہ کا چکر لگا کر چلے گئے۔ ایک دن نور جہاں اپنے بھائی مرزا غیاث کے پاس آئی ہوئی تھی اور شام کے وقت پائیں باغ میں اپنی بہن سیدہ کے ساتھ گلگشت میں مصروف تھیں۔ نور علی شاہ کو خبر ملی کہ وہ آج قلعہ میں نہیں ہے بلکہ اپنے باپ کے گھر ہے فوراً ہی پہنچے اور باغ کی دیوار کے نیچے کھڑے ہو کر زور سے ایک آواز لگا

گرا زول من روشنی نور بر آید

ہر ذرہ تجلی وہ صد طور بر آید

نور جہاں اس قسم کی صداؤں سے خاص دلچسپی رکھتی تھی جن میں اوس کے نام کا کوئی لفظ استعمال نہ کیا جاتا تھا۔ اوس نے اس صدا کو سنا تو ایک کنیز سے کہا وہ کھویاں کی دیوار کے پیچھے کوئی شخص ہے اُسے اندر لے آؤ۔ کنیز گئی تو نور جہاں ایک گدڑی پر سوار ہو کر آواہ اور بار سے بائیں کر رہا ہے۔ کہنے لگی چلے سرکار بلائی ہیں۔ فقیر تو یہ چاہتا ہی تھا فوراً ساتھ ہو لیا۔ باغ میں پہنچا تو نور جہاں پردہ کی آڑ میں کھڑی ہو گئی اور پوچھنے لگی کہ تمہارا کیا سوال ہے۔

فقیر۔ میں تو ایک غریب فقیر ہوں اور خدا کے گھر بیت اللہ جانا چاہتا ہوں۔ نور جہاں۔ مگر خدا غریب کو اپنے گھر کی طرف آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ فقیر۔ تو مائی اپنے آستانہ پر بڑا رہنے دے۔

نور جہاں۔ میں تو خود شہنشاہ کے گھر میں رہتی ہوں۔

فقیر۔ تو مجھے بھی بادشاہ کے گہر میں جگہ دلوا دے۔

نور جہاں۔ بہلا دو ماں فقیر کے رہنے کا کیا کام ہے۔

اسنے میں ایک خواص بول ادا تھی کہ یہ موافق گستاخ ہے ہماری سرکار سے باتیں بنا سے چلا جاتا ہے فقیر بولا کہ تمہاری سرکار مجھ سے زیادہ چالاک ہیں

کہ نہ تو فقیر کو اپنے پاس رکھتی ہیں نہ بادشاہ کے گہر میں جگہ دیتی ہیں نہ خدا کے گہر جانے دیتی ہیں یہ سنکر نور جہاں بے اختیار ہنس پڑی اور فقیر کو ایک ہزار روپیہ نقد اور ایک سنہری کڑوں کی جوڑی اسی وقت عطا فرمائی اس نور جہاں کی مسکین نوازی کے ساتھ اسکی حاضر جوابی کا بھی پورا ثبوت ملتا ہے۔

ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ ختم ہوا اور عید کا چاند نکلا تو خورشید جہانگیر نے چاند دیکھ کر نور جہاں سے مسکرا کر فرمادیا۔

بال عید براہیج فلک ہوید اشد

نور جہاں نے فوراً یہ مصرع پڑھتے کہ کے جواب میں سنایا۔

کلید میکہ ہم گشتہ بود پید اشد

ایک مرتبہ بادشاہ اپنے شاہی باغ میں مصروف سیر تھے نور جہاں ہی ساتھ تھی ایک جگہ چار خدوات محل شاہی کتری ہمئی تھیں جہاں گرنے آن عورتوں کو دیکھ کر نور جہاں سے مخاطب ہو کر کہا۔

ہر چار عناصر گرامی ہستند

نور جہاں نے دوسرا مصرع فوراً اس طرح نظم کر کے سنایا۔

شہ جان ہمہ ہمہ ز شہ سر مستند

ایک مرتبہ شہنشاہ جہانگیر نے سفید حریر کی قبازیب بدن کی اور اس میں لعل
رمانی کا بٹن لگایا اور نور جہاں کے پاس لایا نور جہاں نے دیکھتے ہی یہ منظر دیکھ کر
ثرانہ تھمکے لعل است در قبائے حرب شد است قطره خون منت گریباں گیر
یہ حکایت بھی مشہور ہے جو نور جہاں کی ذہانت و دانائی پر دال ہے کہ ایک
مرتبہ وہ ایام سے اٹھی کہ شہنشاہ جہانگیر نے اظہار شوق کیا۔ نور جہاں نے اس کے
جواب میں اس طرح عذر کیا۔

بخوں من اگر شاہا دلت خوشنودی گردد

بجان منت است تیغ زخموں آلودی گردد

جہانگیر اس عذر پر ہندہ کو سمجھ کر خاموش ہو گیا۔ ایک مرتبہ پہر ایسا ہی اتفاق ہوا
تو نور جہاں نے عرض کیا۔

نباہرم منکر گرچہ سر بسر سبزم ولیک باطن من چوں حنا پرانوں است
میسری مرتبہ پہر ایسا ہی موقع پیش آیا۔ نور جہاں نے اس مطلع کے بعد یہ
عذر خواہی کی۔

دست ز گل چیدنم مشب بہار میچکد از برگ گلیم آسب نثار
ان تمام واقعات سے نور جہاں کی ذہنی اور فاضلہ خواہی کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے

نور جہاں شاعر بھی تھی

حسن اتفاق سے نور جہاں کے عہد طفلی میں چند انالینق ایسے مقرر ہوتے تھے
جو اُس زمانہ کے زبردست شاعر تھے اور گونہ جہاں نے باقاعدہ اس فن کو کسی

اوستا سے حاصل نہیں کیا تھا تاہم وہ دیوان اور فارسی کلیات وغیرہ دیکھ
 دیکھ کر خود بھی کبھی کبھی کچھ لیا کرتی تھی۔ اوسنے اپنا کلام کسی کو بغرض اصلاح
 نہیں دیکھایا۔ اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ محلات شاہی میں شاعری معیوب سمجھی جاتی
 تھی بلکہ وہ اپنے خدا داد ذہن پر نازاں تھی اور اپنی طبیعت سے خود مدد لیکر
 اس فن مبارک میں ترقی کرنا چاہتی تھی۔ جب اوسکے خود ساختہ اشعار نگر شہنشاہ
 جہانگیر خوش ہونے لگے تو اوسکا حوصلہ اور پی بڑھتا ہوا تھا اور طبعاً اوسے اس فن
 مبارک میں ترقی کرنا چاہتی تھی۔ عیب اوسکے خود ساختہ اشعار نگر شہنشاہ
 جہانگیر کی زبان میں تھے۔ کہتے ہیں کہ شیر افکن خاں اپنے شوہر کے قتل ہو جانے
 پر اوس نے ایک بسیط مرثیہ بھی لکھا تھا۔ مگر افسوس کہ اوسکا کوئی شعر کسی شعر
 میں نظر سے نہیں گذرا۔ اوسکی شاعرانہ ترقی کا سبب اوسکی ہفتہ خواتین بھی تھیں
 جنہیں سے بعض نہایت خوشگو شاعرہ تھیں اور انکی صحبت وہم جلیسی میں رہ کر
 اوس کے لئے نا ممکن تھا کہ وہ اس شوق سے محفوظ رہے۔

تو رہاں کا کوئی دیوان مکمل مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہی کہیں نظر نہیں آیا۔ اوسکے
 بعض اشعار جو اوسکے نام سے منسوب ہیں ہر محمد خان نے نقل کئے ہیں اور انہیں
 سے اوسکی شاعرانہ قابلیت پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے بعض اشعار جو ہیں
 اکثر تو تاریخ معشرہ میں ملے یہاں بھی نقل کئے جاتے ہیں۔

دل بھڑت نہ دیم تاشدہ سیرت معلوم بندہ عشقم دہخار و دولت معلوم
 زابراہول قیامت ممکن در دل من سہل ہجران گذران دیم قیامت معلوم

بهنگام تحسین و لبر من جلوه گوید
 غافل نشین ای دل غفلت افروز
 بر رخ افکنده بر دوازده باغش
 نه شرم آب شدم کایا شکسته محبت
 هنوز آن غافل خندیدن نه و اند
 عشقش چنان که اختتم را که آب شد
 شرم شدم شعله و آغوشم کیا بزم جبهه و طوم
 قند بهار اگر چه بجز شادی نیست
 کشاده خنجر اگر از نسیم گلزار است
 تر زلف خورشید بلباسه نهان است
 این خانه بر انداز که در خانه زین است
 منی آید بغیر از گریه دیگر کار از چشمم
 گره ز کار چو کشاده محبت سراسر می
 که شست و رفت خزان موسم بهار آمد

سکندر نامه به یوسفی سرش دانی که چیست

قشنگان شوقی را بجز و نیست از آب حیات

و تپیده با سینه سافیش در سواد و خفا
 نیست نوار که گنجی به هر آب روان
 جو در سبزه شبنم دشتی پرورین است
 آب از گریه ای این فصل برآورده ز آب
 دامن به چهره نه شسته بود لب بر مشد

شاعریت بدیں بول مسدود آردہ فلک بہ شاطری شاہ پر ہوا آردہ
عشق را اولیٰ و آخریہ فوق اسطیغ این شہریت کہ ہم تختہ دہم خام خوش است
ان سے بعض اشعار کی ترکیب صاف پتہ دے رہی ہے کہ یہ کسی غزل یا قطعہ کے اشعار
ہیں بلکہ اول و آخر اور بھی چند شعر فرور ہوں گے جو غزلکۃ مشرقیہ کی امیاء
کے لئے قائم ہوا ہے اور میں نے اکثر قدما کا کلام فارسی فاروہ تحقیق ذکر و کشش
سے ڈھونڈ نکالا ہے۔ اگر کلام نور جہاں کے لئے بھی سعی کرے اور طباطبائے مالکہ کی شاعر
کے کچھ اور دلکش نمونے پہلک میں پیش کرے تو تحقیقاً قابلِ شکر و احسان ہو۔

نور جہاں کی ہم عصر و آئین

صاحبِ حیات نور جہاں نے لکھا ہے کہ نور جہاں کے زمانہ میں چند عورتیں ادبی
الائق و فانی تھیں جو شاعری میں اپنا جواب نہیں دے سکتیں یہ ادبیات تھی کہ
نور جہاں کی خدا داد قابلیت نے کسی اپنی ہم عصر عورت کو اس کے ہونے دیا
انہیں عورتوں میں ایک بڑی تیار انسانہی انہیں بجز کو جہانگیر کے مشکوے معلیٰ
سے تعلق تھا۔ اور ان کی شاعری کا خیر نہ یہ ہے۔

ہنگامِ محرومیت میں جسوہ گہ آمد حد فتنہ نحو امیدہ شہر لہ آمد
بہنِ تنگدہ ہر دم کے نفس میں قہت را در وہر دو عالم قہت صبر کے شیر قہ را
ایک اور بڑی بی رحم چہانگیر سے تعلق کہہ سکتی تھیں حیات انساں گیم تھیں۔ ان کا تعلق
شاعری تیار انسانہ گیم سے زیادہ قابلِ تامل اور حیرت آ رہا۔ آگے کلام کا نمونہ جو چھ
چھ ساز ہم طرف دیوہ و کعبہ و تھانہ مسجد گہر و چشمِ ظاہر و بیتِ دلم ہر خطہ میگرد

بیاد ابر کہ جام بادہ گلگون بگر دامن
مردود کوہ کا بخت جز خون بگر خوں
نور جهان کی معاصر خورتوں میں سے ایک جانان بگیم ہی نہیں جو عبد الرحیم خاں خاں
کی لڑکی تھیں علاوہ شاعر ہونے کے انہیں زہد و پارسائی کا مادہ دوسرا مادہ ملا
ہوا تھا عفت و عصمت پناہ قوانین کی قبرست میں زمانہ نروان کا سب سے اول نمبر
لکھا ہے۔ چنانچہ ایک مسلم روایت ہے کہ حبیب ان کے مکتوب اور عالم کی تمہید میں لکھی تو
شہنشاہ جہانگیر نے انہیں شادی کا پیام دیا۔ بادشاہ کا پیام اور پیر ایک مسمولی
علازم شادی کی لڑکی کے نام اس کا ماں لیتا تو دخان خانان کے نام پادشاهت فخر تھا
مگر جانان بگیم نے شادی خلوں کی بگیم بننا پسند نہیں کیا۔ اور اپنے داماد کو لڑکر اور پیر
کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں بھیج دئے یہ حال دیکھ کر جہانگیر کو سخت افسوس ہوا۔
اور جانان بگیم کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا یہ ایک شعر ادب کی طرف منسوب ہے۔

عاشق زلفی عشق تو پہاں چسپاں کند
پیدا است از دوشم ترش غول گرسپاں
سلیب بگیم ہی جو ہر دم خاں کی زوجہ تھیں۔ شاعری سے خاص مذاق رکھتی تھیں اور لگا
ہی ایک شعر دیکھا گیا ہے

کاکلت راگز مستی رشتہ جاں گشتہ ام
مست بودم زین سلب حرف پریشاں گشتہ ام

حبیب اللہ ترک کی بیوی خدیجہ خانم ہی نور جہاں کی ہم جلسہ تھیں اور شاعری
سے خاص تعلق رکھتی تھیں۔ اور ان کی ایک یہ رباعی مشہور ہے۔
روئے کے بخوان وصل بھال گشتہ
شرمندہ از انتظار بھال گشتہ
زمان چشمہ بھال گشتہ ہم آبلے
از زندگی خویش بھال گشتہ ہم

ان واقعات کی شیطرتے مقصد یہ ہے کہ نور جہاں کے زمانہ میں خود اس کے
 نمونوں میں بعض نہایت خوشگوشا عورتیں موجود تھیں مگر نور جہاں کی شوخ طبعی
 اور نندار اور ذہن رسائے کسی کی قابلیت کا چراغ اور اس کے سلسلے روشن نہ ہونے
 دیا اور یہی وجہ تھی کہ جہانگیر باوجود مشکلات ہی نور جہاں کے خیال سے باز نہ آیا۔
 اس سے اپنی ملکہ بنا کر بارہ نور جہاں شیر رنگ کی بی بی بن چکی تھی وہ ناکھڑا نہ تھی کہ
 جہانگیر اس سے لڑے۔ دیوانہ ہو جاتا۔ مگر اس کے حاصل کرنے کے لئے جو بات چاہیگی
 کو بہت زیادہ مضطرب اور وحشی بنا سکے کہتی تھی وہ نور جہاں کی اعلیٰ قابلیت اور
 فوش ذہنی تھی۔ اور اسی ایک وصف نے اسے اس کی تمام معاصر خواتین میں ممتاز کر دیا تھا

نور جہاں کی مسترتوں میں آغاز انقلاب

کبھی شادی کبھی ماتم کبھی عشرت کبھی شہرت
 ہمیشہ ایک ہی حالت نہیں رہتی رہا اس کی

یہ زمانہ کی جتنی خاصیت ہے کہ ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا۔ اس کے واقعات و حالات میں
 ہمیشہ تغیر رہا ہے اور انقلاب دائمی ہمیشہ اپنے جلو سے دکھاتا رہتا ہے۔ کوئی بادشاہ جو
 ہا قصور میر جو یا غریب کبھی ایک حالت میں نہیں رہ سکتا نور جہاں ہی اس لکیر سے مستثنیٰ
 نہیں رہی اور اسے بھی مصائب دیوی کا شکار ہونا پڑا۔ سب سے پہلے جس مصیبت
 نے اسے غصہ کیا وہ اس کی ماں عصمت بانسنگیم کا انتقال تھا عصمت بانو کی وجہ گیری اور
 نگرانی سے نور جہاں کو ایک باسلیقہ شہزادی کی طرح بالا تبار اور اس کی اعانت و مشقت
 سے نور جہاں کی شہرت نہیں ترقی ہوئی تھی۔ عصمت بانو کی وجہ گیری اپنی حقیقی ماں سے

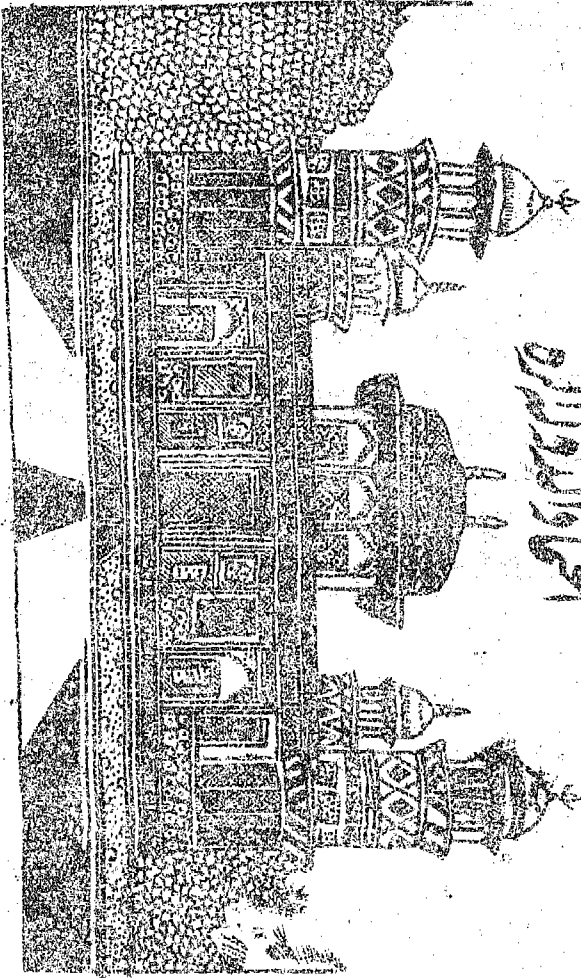
زیادہ سمجھتا تھا اور اس کی تکریم و تعظیم اور غیر تکریم و تعظیم میں امتیاز نہ تھا اور اس کے مرے کا
 افسوس کو سب سے زیادہ نور جہاں کو تھا کہ ہم جہاں گئے اور نور جہاں کا باپ مرزا غیاث شاہ اور
 اس کا باپ بی آصف خاں بھی اس رخ سے بیکرد و شش نہ تھا سب مرزا علی کے شوگر میں
 ماتم کرتے تھے اور اس کی یاد اور انیس خوں کے آنسو رونانی تھی۔ آخر کار شہنشاہ جہانگیر
 کی مہربانیوں اور دیکھوئیوں نے اس سانچہ جہاں گذار کو پھر چند سے دنوں میں باطل ہو کر
 ابھی اس ہاتھ کو کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ مرزا غیاث نور جہاں کے والد نے یہاں اس
 دنیا سے بجا رخصت ہو کر وہ شہنشاہ میں انتقال کیا۔ مرزا غیاث اپنی استعداد و تہذیب و
 سے اور نور جہاں کے وسیلہ سے جہانگیر کے دربار میں مسند وزارت تک پہنچ گیا تھا۔ اکبر
 کے زمانہ میں صرف دیران بیانات تھا مگر جہانگیر نے اسے اپنا وزیر بنالیا تھا اور تمام امور
 کے سرکار لقب سے ممتاز کیا تھا۔ "اتحاد الدولہ" کے مرے سے نور جہاں کی پڑائیکر دولہ
 میر بہت زیادہ ضعف پیدا ہو گیا۔ اور وہ ان مصائب پیچ اور شبی و سیر کی
 سختیوں میں گرفتار ہو کر بہت زیادہ ضعیف ہو گئی۔ اس کا دل ہر وقت دہرکتا
 رہتا تھا۔ اور چہرہ اور اس ہو جاتا تھا وہ خوش تھی کہ اس کی ماں نکلات شاہی میں
 ایک خاص عزت اور مرتبہ رکھتی تھی اور وہ شہنشاہی کے اس کا باپ شہنشاہ ہندوستان
 کا وزیر اعظم ہے۔ مگر اب قسمت نے ان دنوں رعایتوں اور مسرتوں کو اس سے ہمین
 لیا۔ اور وہ بیکس دینے بس رہ گئی۔ جہانگیر نے یہ نظر کوئی دیکھا تھا نور جہاں کے باپ
 مرزا غیاث کو دیا تھا اب اس کے بھائی آصف خاں کو دیدیا اور آصف شاہ کے لقب
 سے معزز فرمایا۔ یہ سب کچھ تھا مگر نور جہاں کے دل میں جو درد حرکت پیدا اور انتقال
 مادر سے ہڑ گئے تھے۔ اولنگا منہ دل ہر ناخیر ماکوں تھا۔ ان حوادث نے اس کی بیشمار

مسرتوں کا رنگ بدل دیا اور وہ کہہ آپ ہی آپ مغرور سی رہنے لگی۔

اعتماد والدولہ

مرزا شایاٹ خوش نصیب تھا کہ اپنی تو نظر کے ساتھ دنیا سے دور ہو گیا اور وہاں
نے اپنی نگاہیں دیر اپنے باپ کا ہزار ہوا جو انہی کے نام سے آج تک "اعتماد الدولہ"
مشہور ہے۔ یہ عمارت گورنمنٹ تلچ گنج سے بہت پہلے بنائی گئی تھی مگر ہی تلچ گنج کے بعد
یا اعتبار نفاس آگرہ اس کا دوسرا تعمیرت جہان کے کنارہ یہ موضع کا عمارت
اپنی لابی اب تراش تراش دکھا ہی ہے۔ جس میں مزار خدایات اور محبت کی فی بی
عصمت النساء بیگم دونوں جو خواب ہیں۔ روضہ کی چار دیواری پر سنگ مرمری انگ
یشت انگ بنائی اور مسیوق مہ کے پیش قیمت بتھروں سے میل لگائے ہوئے گئے
ہیں۔ جو آج تک بالکل نئے اور چمکدار معلوم ہوتے ہیں۔ قبریں سنگ رخام کی بنیاد
عمدہ بنی ہوئی ہیں بالکل سانچے میں ڈھلی معادہ ہوتے ہیں۔ روضہ کے ارد گرد چار
دیواری کے اندر ہر قسم کے سرسبز دشت و آب و رخت لگے ہوئے ہیں۔ سب سے شہر اکثر
بغیر غرض سیر عباد الدولہ جاتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر سیر دیا کا لطف اٹھاتے ہیں اس
روضہ کی تعمیر میں چھ لکھ روپے خرچ ہوئے اس لیے صرف کیا تھا کہ وہاں کے دلیرانہ کی
جگہ ہوا اور وہ اپنے باپ کے مقبرہ کی شان دیکھ کر اپنے دلی اندیش اور رنج کو
بھول جاتے۔ آہ او نہیں کیا خبر تھی کہ اس کے مرثیے بعد او نہیں ایسا مدفن بھی
نہ ہو گا۔ جیسا کہ اس کے ادنیٰ زور و اثر کو مسرور کیا اور وہ مرثیے کے پیرائے میں
پڑے رہیں گے غرض کہ روضہ اعتماد الدولہ اب بھی ایک جگہ انگریز عمارت ہے جس سے

الحمد لله رب العالمين



خاص عمرانی مہابت خاں کے نام جاری کیا کہ "جنتک آصف جاہ کو حساب
 نہ سمجھاؤ، اور اپنے مظالم کا جواب نہ دے، تو پھر موقوف اور دربار میں طاعنی
 مسدود" اس وقت بادشاہ مع اپنے لشکر اور آصف جاہ نورجہاں کے دربارے
 جہلم کے اس پار مقیم تھا مہابت خاں کو جب یہ جواب لکھا گیا تو آصف جاہ مع
 لشکر و فوج دریا پار چلا گیا اور بادشاہ کو مع حرم سرا اور چند خواجہ سراؤں کے
 اس پار تنہا چھوڑ گیا۔ بیشک یہ آصف جاہ کی ایک بہت بڑی غلطی تھی لیکن وہ
 عزیمت سرعام اور الطاف شاہانہ پر پھولا ہوا تھا۔ اس لئے انجام کار پر اس نے
 نظر ہونے والی نہ وہ یہ سمجھا کہ مہابت خاں کس گناہ میں ہے اور کس پر وہ
 میں اپنا انتقام لینا چاہتا ہے اور تو آصف جاہ دریا پار چراؤں مہابت خاں
 پانچ سو اور راجپوتوں کے ساتھ شاہی کیمپ پر آکر ایک سو ہر طرف سے گھیر لیا گیا
 اور راجپوتوں کا لشکر ہر طرف نظر آنے لگا۔ یہ غلہ یہ شور اور یہ شہ گام دیکھ کر جہانگیر
 اپنے کیمپ سے باہر آیا مہابت خاں دوڑ کر حاضر ہوا۔ پوچھا مہابت خاں
 کیا تنہا رہے۔ عرض کیا کچھ نہیں حضور کی پناہ میں آیا ہوں۔ میرا قصور معاف
 کیا جائے۔ میں بادشاہ پر تصدیق ہوا اور پاکی سنگوٹانی بادشاہ کو اس میں ٹھہرایا
 اور خود کندہ دیکر اپنے خیمہ میں لے گیا وہاں پہنچ کر درپردہ حکم دیدیا کہ بادشاہ
 قتل نہ ہو، اور کس طرح یہاں سے نکلنے نہ پائیں۔ مگر پھر اسے خیال آیا کہ
 افسوس نورجہاں میں رہ گئی جس کا وقار کم کرنے کیلئے یہ تمام حال کیا گیا اور
 حیلہ ساز ملک میں وہی ہاتھ نہ آئی۔ پھر بادشاہ کو سوار کر کے شاہی کیمپ میں
 لا باگرہاں آکر دیکھا تو نورجہاں کو دف بایا اور معلوم کہ وہ اپنے رہائی کے پاس

دریا پار چلی گئی۔ نور جہاں جیب اپنے بھائی کے پاس پہنچی تو اس نے آصف جاہ
 اور سرداران لشکر کو خبر دی طرح لٹاڑا اور اس طرح تنہا چھوڑ آئے پر اہل تلامت
 بھی کی ادھر بادشاہ نے حکم بھیجا کہ نور جہاں کو فوراً یہاں پہنچو مگر وہ نہ آئی اور
 مہابت خاں کو اسکی چالاکیوں کا حرا چکھانے کی ہمد بھر میں سمجھنے لگی۔ پھر اسکے چارہ
 بھی کیا تھا کہ مہابت خاں کے لشکر پر حملہ کر دیا جائے۔ مگر بادشاہ کے احکام
 میں حملہ کرنے کی سخت ممانعت تھی تاہم وہ نہ مانی اور ایک سردار کو معہ فوج
 کے دریا پار اتار دیا۔ لیکن سردار معہ فوج نہ پہنچے وہ کام واپس آ گیا۔ دوسرے دن
 نور جہاں خود مقصد متہ الجیش بنی اور ایک ہر راج میں ہاتھی پونٹیلی شہر بار کی
 چھوٹی تھی ٹیٹی کو گود میں لیا اور باقی کو دریا میں ڈال دیا۔ چھپ چھپ فوج تھی اور
 آگے آگے ملکہ۔ آخر کار میدان کا رزار گرم ہوا۔ ہزاروں آدمی اور ہزاروں دھڑکے
 ضائع ہوئے۔ لڑکی نور جہاں کی گود میں کسی ظالم کے ہیرے نہ تھی ہوتی یہاں تک
 کہ نور جہاں کو واپس لڑنا پڑا۔ ان واقعات نے مہابت خاں کو معزز بادشاہ میں
 فتنہ پردازی اور کہنے دوزی کا موقع دیا وہ کہنے لگا۔ دیکھتے معزز والا کہ سیکرہا
 آپ کی موجودگی سے واقف تھیں اور جانچتے ہیں کہ آپ یہاں آپس نہیں مہر ہیں
 پھر ہی آپ کی کچھ پروانہ کی نہ آپکا حکام پر توجہ کی اور آپ کے خلاف ہم سب اہل
 بلند کمرے۔ ہزاروں آدمیوں کا نقصان کر ڈالا آصف جاہ اپنی بہن کی ٹیٹی ہوئی
 فوت سے ضرور کوئی ایسا کام لینا چاہتے تھے جو نگاہی کو خطرو میں ڈالنے والا ہے
 ان کی قوت کو توڑنا حسن نیت نگاہی خاں کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ بادشاہ چونکہ
 اسوقت ایک عجیب کشش کے عالم میں گرفتار تھا اس کی کچھ میں بہت بات لگی

اور مہابت خاں کے کہنے سے نور جہاں کو قسمیں دے کر بلوا بھیجا۔
نور جہاں کو قصہ اور انتقام کی آگ سے برا فروختہ ہو رہی تھی تاہم بادشاہ کی
بیوی تھی۔ اس کے احکام سے سر تابی نامکن تھی لہذا کچھ خیال کر کے وہ تنہا
چلی آئی اور ایک لگ خیمہ میں فروکش ہوئی۔

مہابت خاں نے جہانگیر سے کہا کہ اب اچھا موقع ہے حضور نور جہاں کے
قتل کا حکم دیدیں تاکہ موجودہ سازشوں کا سد باب ہو جائے اور بندگان عالی
کو یکسو کر دے۔ جیسے نصیب ہو۔ بادشاہ نے جبراً قہراً تقاضائے وقت سے مجبور
ہو کر نور جہاں کے قتل کا محضر نامہ لکھ دیا اور مہابت خاں کے حوائے کیا
مہابت خاں نے ایک خواجہ سر کو بلایا اور وہ محضر نامہ دیکر کہا کہ نور جہاں کے
خیمہ میں جاؤ اور یہ حکمنامہ دکھا کر واپس آؤ جب خواجہ سر نور جہاں کے خیمہ
میں پہنچا اور وہ شاہی محضر نامہ دکھایا تو نور جہاں کا خون خشک ہو گیا اس کے
ہاتھ کے ٹوٹے اڑ گئے اور قتل و ہلاکت کی تصویریں اوسکی نگاہوں کے سامنے
پہننے لگیں۔ مگر اسے اپنی محبت اور حوصلہ کو آخر وقت تک ہاتھ سے نہ دیا
اور اس محضر نامہ کے پیش کیا۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔
مگر انا ضروری جاہتی ہوں کہ ایک مرتبہ حضور کے دیدار فیض آثار سے مشرف
ہوں اوس کے بعد مجھے قتل کر دیا جائے۔

جب یہ تحریر حضور بادشاہ میں پہنچی تو مہابت خاں نے اس کے نہ ماننے پر اصرار
کیا بادشاہ پر اپنی تنہائی اور بے بسی کی وجہ سے کچھ ایسا غصہ چھایا ہوا تھا
وہ اپنی تمام تدابیر اور شاہانہ تدبیر کو ہرے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے تخت سلطنت

سے دور تھا۔ لشکر اس کے پاس موجود نہ تھا اور پھر اس کے قبضہ میں تھی جس کو وہ شہر کی نگاہوں سے دیکھ چکا تھا۔ کیا کرتا۔ مجبور تھا۔ مگر نور جہاں کی مایہ ساز تحریریں کچھ ایسی محبت چمک رہی تھی کہ اس نے مہابت خاں کی منت و حاجت کر کے اسے ملاقات پر راضی کر لیا۔ اور یہ شرط قرار پائی کہ جس وقت نور جہاں بادشاہ سے ملے مہابت خاں بھی وہاں موجود ہو۔

مختصر یہ ہے کہ نور جہاں اپنے خیمہ سے سکھ پال میں بیٹھ کر بادشاہ کے کمرہ میں آئی۔ اس کے کپڑے میلے ہو رہے تھے۔ بال پریشان تھے۔ چہرہ اور اس تھا۔ ہاتھوں میں سونے کی ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے عالم مایوسی میں نور جہاں اپنے سر تاج کے سامنے آکر خاموش کھڑی ہو گئی اور ایک عجیب سی بات کہنے لگی۔
 اللہ! مجھ کو یہ سب سے خدا جانے اس نے کیا کہہ دیا کہ میں اسنو پھر آئے اور وہ ہوش چاکر اور سر جھکا کر دو منٹ کے لئے خاموش ہو گیا۔

پوچھنا دشواریاں کسی سخت ہوں۔ مگر یہ ناممکن بات ہے کہ جو بات محبت کے ساتھ کسی گردن میں حائل ہوں اور جو دل کی زلف پریشان میں گرفتار ہو چکا ہو اسی گردن اور زلف واسلے کے ساتھ وہ ہی ہاتھ اور دل ایسا کام کریں جو دنیا سے محبت میں آج تک کسی نے نہیں کیا۔

نور جہاں کی یہ کہنا نہ حالت اور اس کی گزشتہ عزت و عظمت اور اپنی محبت کا خیال کر کے جہانگیر رو دیا۔ اور مہابت خاں سے کہنے لگا کہ "میں نور جہاں

کے قتل کا حکم دانیس لیتا ہوں۔ مہابت خاں نے بہت کچھ سمجھا اور قیالات
 دہلے کی کوشش کی مگر بادشاہ کے چلتے ہوئے آنسوؤں اور آہی ہوتی
 آنکھوں کو دیکھ دیکھ کر وہ ڈر گیا۔ اور سواتے اس سے اور کچھ نہ کہہ سکا۔
 کہ حضور ختم ہیں جو چاہیں کہیں۔

مہابت خاں کو اپنے جوش انتقام میں اندھا ہوا رہا تھا تاہم وہ یہ ضرور سمجھتا تھا
 کہ اگر شہزادگان سلطنت کو جہانگیر کے اس حال کا علم ہو گیا تو وہ فوراً فرخ
 کشی کر کے فوراً پھانسی دی جائیں گے۔ اور ذرا سی دیر میں کشتوں کے پھٹے لگ
 دیں گے چنانچہ ہی ہوا کہ گوردیہاں کی جان بخشی ہو چکی تھی۔ مہابت خاں کے
 قصور معاف کر دیئے گئے تھے۔ اور بادشاہ مع تمام لشکر اور آصف جاہ و
 نور جہاں کیساتھ راجپوتوں کے نیٹے میں مہابت خاں کی انتظامات کے تحت میں
 شہزادہ کو پستانہ کاہل کے قریب جایا دیا تھا پہر ہی شہزادہ خرم دشا جہاں
 کمال لیکر اور دارا شکوہ اور رنگ زہب مع ہزار فوجوں کے کاہل چاہو چکے۔
 ادھر نور جہاں نے اپنا لاکھوں روپیہ کا زیور فرخت کر کے انسانی فوج جمع کر
 اور حکمران ہزارا کو اپنا مہار خواہ بنالیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہانگیر مہابت خاں
 کی ضرورت مند گھڑی سے محفوظ ہو گیا۔ اور مہابت خاں کا جوش انتقام و امانگی
 و نا کامی سے بد لیکر ہمیشہ کے لئے خاموش اور ٹھنڈا ہو گیا۔



آصف جاہی

اب جہانگیر کی تمام قوتیں ضعیف ہو چکی تھیں اور سلطنت کا تمام کاروبار آصف
 براہِ نور جہاں کے ہاتھ میں تھا جہانگیر کا یہ قول تھا کہ میں سلطنت راہِ نور جہاں کے
 ارزانی و انتم و بجز نیک سیر شہزادہ شہر گشت مرا پیرزی باید۔ اور جہاں کی
 اڑکی جو شیر انگن کے صلب سے تھی اوسکی شادسی جہانگیر کے شہزادے
 شہزادہ سے ہو گئی تھی۔ اور آصف جاہ کی اڑکی آج بند ہو چکی (ممناد حملی)
 شہزادہ خرم شاہ جہاں سے منسوب ہو چکی تھی جہانگیر کے دور سلطنت کا
 ستارہ قریب الغروب تھا اور جانشینان سلطانی میں شہر شہر کی بد شکل سازشیں
 در پردہ وہ بے پردہ ہو رہی تھیں۔ اور جہاں چاہتی تھی کہ اپنے داماد کو تخت
 نشین کرے اور آصف جاہ چاہتا تھا کہ اپنے داماد کو تخت پر بٹھائے۔ اس
 جہد و جھڑنے دونوں میں چاہیوں میں ہی اتفاق ڈال دیا۔ افسوس مال و دولت
 اور سلطنت کی خواہش ہی کتنی بڑی چیز ہے آصف جاہ نے اور جہاں کی
 اس برکت اور خوش نصیبی کو بھی دل سے بھلا دیا حبیبی و جبرست وہ آج
 دستور معطل اور آصف جاہ کہلانے کا مستحق ہوا۔ وہ اپنی بہن کے ان تمام
 حقوق و میراث کو بھول گیا جو اس کی وجہ سے آصف جاہ کو مستحق تھے۔
 اور پردہ اوسکی امیدوں پر خاک ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔ اور جہاں
 نے بہائی کو بہت کچھ سمجھایا۔ مگر دولت پرستی نے اوس کی آنکھوں پر
 سنگدلی کا پتھر رکھ دیا تھا۔ اور اسے سلطنت کی دلکش تصویر میں غرض

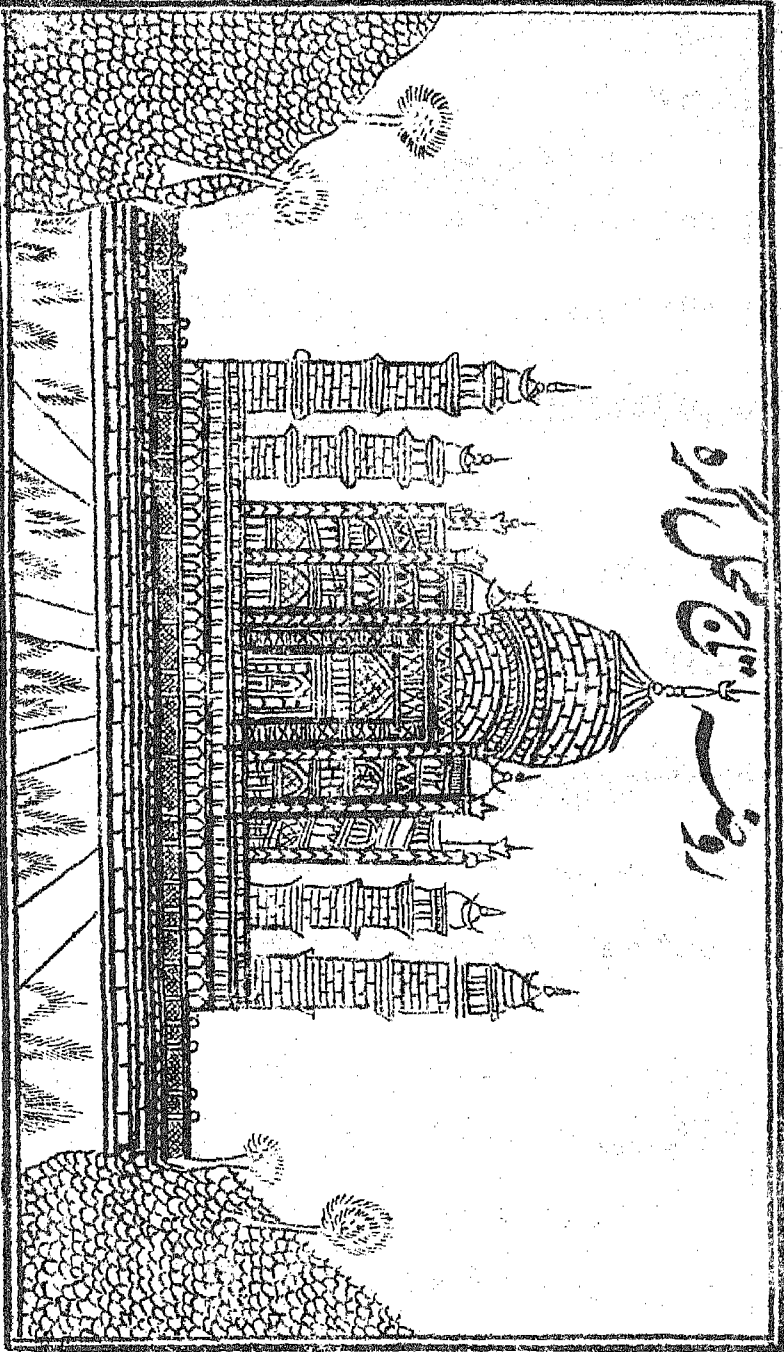
نہی کا رنگ جھگستا نظر آتا تھا اور ہر تقدیر اس کے ساتھ تھی اور وعدے کر رہی تھی کہ ہاں ہم شاہجہاں کو تخت سلطنت کا وارث کریں گے۔ اسے کاش! آصف جاہ قسمت پر شاکر رہتا وہ انہی بہن کو اپنی طرف سے بدظن نہ کرتا ہوتا دی جو آگے چل کر ہوا۔ مگر نور جہاں اپنے ساتھ آصف جاہ کی طرف سے بدگمانیاں لے گئی اور ان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

روضہ ممتاز محل یا تاج گنج

اگر فردوس بروئے زمین است بہن است یہیں است و بہن است
اس سے تو کون انکار کر سکتا ہے کہ نور جہاں کے بہائی آصف جاہ کو جو مناسب جلیلہ اور مراتب عظیمہ سلطنت مغلیہ میں حاصل ہوئے وہ صرف نور جہاں کی وجہ سے ہوئے۔ مگر پویشکل حقوق طلبی میں بالآخر نور جہاں پر اس کے بہائی کو بوجہ حاصل ہوئی۔ وہ ان تمام شکستوں سے زیادہ موثر تھی نور جہاں کو اس کی عمر گذشتہ میں نصیب ہوئیں۔ نور جہاں کی بیٹی ممتاز محل شاہجہاں سے منسوب ہونے کے بعد اور شاہجہاں کو تخت شاہی حاصل ہونے کے بعد ہر عروج آصف جاہی مناصب کو حاصل ہوا اور نور جہاں اسی غم میں آخر گئی مگر مر گئی۔

یہ وہی ممتاز محل ہے جس نے مرنے کے بعد اپنے روضہ کی وجہ سے دنیا میں حیات جا دوں پائی اور نور جہاں سے زیادہ شہرت اسکے حصہ میں آئی۔

روز تاج محل آره



ممتاز محل کے مرنیکے بعد شاہجہاں نے کوشش کی کہ ٹرے بڑے کامان فن کو
 تعمیرِ روضہ کے لئے قسطنطنیہ اور بلاد عرب و عجم سے ہندوستان بلوایا اور ساہا
 سال کی مصروفیت کے بعد کڑوروں روپیہ صرف کر کے ممتاز محل کا روضہ
 بنوایا جب تک روضہ کی تعمیر جاری رہی ممتاز محل کی لاش وہیں بیرونی حصہ
 محن میں امانتاً سپرد خاک رہی اور بعد تکمیل تہ خانہ میں دفن کی گئی اوسکی
 قبر کے پہلو میں شاہجہاں نے اپنی قبر کے لئے بھی جگہ چھڑوا دی تھی اور جب
 وصیت مرنے کے بعد وہیں دفن کیا گیا۔

روضہ تاج گنج کی نزہت دیارِ ثواب و وقت دیکھنے کے قابل ہوگی۔ جبکہ عہد
 شاہجہانی میں ترک و اعتساف کے ساتھ اسکی رونقیں بڑھانیکا انتظام کیا جاتا
 تھا۔ مگر اب ہی تمام ہدایں لٹنے کے بعد پواکیزی اور خوش اسلوبی روضہ کو
 حاصل ہے کسی دوسرے دفن کو ہندوستان میں کبھی نصیب نہ ہوئی
 گو اب روضہ میں مہوہ دار وختوں کا پتہ نہیں تاہم گورنمنٹ برطانیہ کی کشادہ
 دلی نے اب بھی اوسکے مضامات اور تعلقات کو شاداب و سیراب بنا رکھا ہے
 سرسبز باغات اور چمن نے روضہ کی سفید دیوار برق عمارت کو چاروں طرف
 سے گھیر رکھا ہے۔ ایک طرف دریائے جمنا اوسکی دیوار کے نیچے حسرت و افسوس
 میں سرٹپک ای ہے۔ اوسکے بلند مینار اپنی شوکت رختہ کا پتہ دے رہے ہیں
 فارسے جواب صرف اتوار کو چومتے ہیں پھوٹ پھوٹ کر رونق ہائے گذشتہ
 کے لئے روتے ہیں۔ شاہی زمانہ کا ایک آوہ دخت اب بھی موجود ہے
 جو کسی کی زلف خمدار کی طرح بیسیوں خرم کھا گیا ہے۔ اور اس کا ہر زخم

زبان حال سے کہ رہا ہے کہ میں نے شہزادیاں سلطنت منلیہ کے گیسو سے
دراز انہیں مضافات تاج میں بستہ اور کشادہ، پہلے ہوئے اور بکھرے
ہوئے باتوں دیکھے ہیں روضہ تاج گنج دنیا کی سات عجائب و غرائب
چیزوں میں سے ایک مان لیا گیا ہے۔ یورپ کے سیاح جو ہندوستان
آتے ہیں اس سر بفلک عمارت کو دیکھ کر انگشت بندہاں پرہ
جاتے ہیں۔

چاندنی رات میں یہ سنگ مرمر کا نورانی روضہ چشم نظارہ میں جنت الفردوس
کا ٹہنڈا اور سہانا سماں پیدا کر دیتا ہے۔ محرابوں پر بخشنج آیات قرآنی کندہ
ہیں جنہیں یہ صنعت تحریر رکھی گئی ہے کہ حروف کی جسامت دور و نزدیک سے
یکساں نظر آتی ہے۔ روضہ کی عالی شان عمارت دیکھ کر عقل چکراتی ہے کہ
جن لوگوں نے اس روضہ کو تعمیر کیا ہے وہ اپنے فن میں کیسا یہ طوفانی رکھتے تھے
مبت کاری کا کام دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر حصہ تاج اور ہر پتھر ڈال
ڈال کر اپنی جگہ پر رکھا گیا استحکام ایسا کہ سینکڑوں برس تک شکست
ورنخت سے عمارت روضہ بری ہے اور ایسی ہی پر ہی پڑی کھڑی ہے۔
جا بجا حیوض، حوضوں میں رنگ برنگ کی چھلیاں، مسی، شہ نشین،
وغیرہ ایسے دلکش نظارے ہیں کہ زباں سے بے اختیار داد نکلتی ہے۔
یوں تو ہر سیاح نے روضہ تاج گنج کی سیر سے لطف نظارہ اٹھا کر اپنے
مقدور اور لیاقت کے موافق اسکی تعریف میں رطب اللسانی کی کسی نے اسے
دو ہرہ زمین، قرار دیا۔ کسی نے "جنت ہندوستان" لکھا مگر جیسی انتہائی تعریف

لیڈی کرزن نے سیرکیو قوت مانگنے کی کی وہ اپنے جذبات کی جاہلیت اور
اپنے صداقت آفرین الفاظ کی سلامت کی وجہ سے سختی از تعریف ہو گئے ہیں
کہ لیڈی کرزن نے جب پہلے پہل روضہ کو دیکھا تو اس کی زبان سے بے اختیار
یہ الفاظ نکل گئے کہ "اگر مجھے یقین ہو کہ میرا شوہر میری قبر پر پڑی ایسا ہی روضہ
بنوا دیگا۔ تو میں اسی دشت جان دینے کو تیار ہوں"

خوش اسے لطیف الخصال خاتون خوش۔ دیکھ حسنا زحل، اپنی تمام شوکتوں
اور دل آرائیوں کے ساتھ مجملہ مدفن میں کھڑی ہوئی کہہ رہی ہے کہ
"اگر میں دوبارہ زندگی پاؤں اور مر جاؤں تو بھی اب ایسا دلکش روضہ

صفحہ دنیا پر دست انسان سے تعمیر نہیں ہو سکتا۔
بیشک اپنا جگہ اپنی مجموعی حیثیت سے سلطانین مغلیہ کی فہم و فراست اور
از منہ قدیم کی صنعت کی ایک ایسی یادگار ہے جو کبھی فنا نہیں ہو سکتی اور
جس کا جواب دنیا میں پیدا نہیں ہو سکتا۔

اسے یادگار رنگان اسے روضہ جنت نشان

اسے جنت ہندوستان اسے روضہ گروں حشم

آرام گاہ قدسیان ہر گوشہ گوشہ تیرا ہے

اسے مرقد شاہ جہان وصالا ہے سانچہ میں تجھے

سوتا ہے اک نلکہ آشیان اسے قبر تیری گود میں

جیسے فراعہ ککشان تیرے مجھ کی بسا

یوں تیری پرچیں سازیاں جیسے ستاروں کی جڑات

ہر کتبے سے ہے جلوہ گر طغرائیں گن نکلاں
 افشاں رخ قدرت و یہ یا ہیں یہ منت کاریاں
 وہ چالیاں ہیں دلربا یا چٹک حور جیساں
 آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں ایسی تجلی کا مکاں
 ہے منحصر نظارہ پر تیری حقیقت کا بیاں
 سرمایہ صد ناز ہے روضہ ہے با اعجاز ہے

وفات جہانگیر

جہانگیر کو چہاں اور شوق تھے وہاں شکار کا بھی بچہ شوق تھا۔ اور وہ شکار
 کھینے کے لئے اکثر مضافات کشمیر میں آتا تھا۔ کشمیر کے دلکش مناظر اور سکے
 دل کو بہت ہی سہلے معلوم ہوتے تھے اور وہ چلبے کیسے ہی مہات میں ضرور
 ہو مگر سیر کشمیر سے واپسی پر جہانگیر بارہ مولا کے قریب بیرم گلہ کے مقام پر

ایک مرتبہ کشمیر سے واپسی پر جہانگیر بارہ مولا کے قریب بیرم گلہ کے مقام پر
 شکار کھیل رہا تھا تو جہاں ساتھ تھی اتفاقاً ایک حسین لڑکا جو ہرنوں کو ڈیر لگانے
 کے لئے پہاڑی پر چڑھا ہوا تھا پانوں پھسلنے کی وجہ سے لڑکا اور پہاڑی کے
 دامن میں آئے آئے جان دیدی۔

جہانگیر کے دل پر اس واقعہ کا بھرا اثر ہوا وہ شکار چھوڑ کر سیدہ احریم سے کوہا
 آیا مگر اس لڑکے کے خیال نے اسے بھر تکلیف دیا اور اسکی روح ضعیف
 ہوتی چلی گئی۔ اور چار یا پنج روز میں شہنشاہ عظیم الشان انتقال فرمایا

ما کشفی سن جو جہانگیر کے دربار میں ایک ممتاز شاعر تھے دفات جہانگیر کی تاریخ حسب ذیل لکھی ہے۔
چوتلی رنج و فالت جس جہت کشفی

خرد گفتم جہاں گیر ان جہاں رفت

نور جہاں عالم بیوگی میں

ناظر میں اس حیرت انگیز حالت کو ذرا غور سے دیکھیں کہ وہ ہی نور جہاں جو ہزاروں بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی مادرِ جہان کی طرح سرپرستی کرتی تھی آج خود عالم بیوگی میں ہے اس نے ہر قسم کا سنگھار کرنا چھوڑ دیا ہے۔ سفید کپڑے پہنے رہتی ہے اس کے گلاب سے رخسار مر جھاگتے ہیں اور وہ چمنستانِ حسن کی ایک مرجھائی ہوئی کلی معلوم ہوتی ہے۔ فاعلمتہ وایا اولی الالبصار۔

ادھر تو جہانگیر کے انتقال کی خبر قلعہ معلیٰ میں آئی ادھر آصف جاہ نے نور جہاں کی نظر بندی کا حکم دینا اور شہزادہ خرام (شاہجہاں) کو خبر بھیجی کہ جلد سے جلد آکر سلطنت کی عنان اپنے ہاتھ میں لیں۔ چنانچہ ۲۶۔ برس کی عمر میں شاہجہاں نے محمد شاہجہاں بادشاہ، دادا و آصف جاہ، سر پر اسے سلطنت ہو گئے اور نور جہاں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہ گئے۔

شاہجہاں نے نور جہاں کو بڑے احترام اور بڑی عزت سے رکھا لیکن نور جہاں اتنی بڑی پولیٹیکل شکست کے بعد کینجھو گوارا کر سکتی تھی کہ کامیاب مخالفین میں رہ کر اپنی باقی ماندہ زندگی بسر کرے اس نے کہا کہ میں پنجاب میں رہو گی شاہجہاں نے اسے بھی بخوشی منظور کر لیا۔ اور پچیس لاکھ روپیہ سالانہ

مقرر کر کے نور جہاں کو لاہور بھیج دیا اور اس کا بہائی "ابوالحسن" میں ملو
 آصف جاہ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور منصب نہ ہزاری پر مامور ہوا
 نور جہاں لاہور کو بید پسند کرتی تھی۔ چنانچہ اس شہر سے اس کے
 خیالات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

لاہور را بجاں برابر خریدہ ایم جاں دادہ ایم و جنت و گنج خیر ایم

مسعود اگر

ہمارے ناظرین کو تعجب ہو گا کہ مسودا گر نور جہاں کو جنگل سے اٹھا کر لایا تھا
 اور جس نے اس سے بے بہا کو اکبر کے سامنے نہ رکھا تھا اور سکا کیا حشر مسود
 ہم اسکے متعلق مختصر حالات بیان کر کے اس سوانح عمری کے باقی ماندہ حصہ
 کو انشاء اللہ بہت جلد ختم کرتے ہیں۔

مسعود قافلہ سالار ایک مسودا گر تھا جو ایران میں رہتا تھا۔ اور وہاں کی بیٹی ہا
 چیزیں بطور زندانہ اکثر دربار شاہی میں لایا کرتا تھا جب مرزا غیاث کو اس نے
 شہنشاہ اکبر کے دربار میں پہنچایا تو اسکی رسائی اور بھی زیادہ ہو گئی۔ اس کے
 بعد بھی وہ اکثر آتا جاتا رہا نور جہاں اسے "غفر بابا" کہا کرتی تھی۔

نور جہاں کے والدین اس کی بیعت و عظمت کیا کرتے تھے۔ جب
 مرزا غیاث دیوان بیرونات شاہی ہو گئے تو چاہا کہ مسعود کے احسانات کا کچھ
 صلہ ادا کر دیں لیکن شریف ان خیال مسعود نے اسے گوارا نہ کیا۔ بلکہ اب اس
 کی محبت و شفقت نے یہاں تک طول پہنچا تھا کہ جب وہ شہنشاہ

کے لئے تھکے لاتا کوئی بیش قیمت چیز نورجہاں کے لئے بھی ضرور لے کر آتا
جب نورجہاں بادشاہ بیگم ہوئی تو اتفاق سے مسعود انتقال کر چکا تھا مجبوراً
نورجہاں نے اس کے لڑکے محمود کو ایران سے بلایا اور اسکے ساتھ
روپیہ کا سلوک کیا۔

وہ چاہتی تھی کہ محمود کو سلطنت میں کوئی اچھا عہدہ دلوادے مگر محمود نے
ایران چھوڑنے پر ناراضانندی کا اظہار کیا پھر بھی نورجہاں اسے اکثر گورے
ساز و سامان اور طرح طرح کے انعام و اکرام دیتی رہتی تھی۔ اسی کے زیر
اہتمام اس نے محراب تہ قندہار میں اس موقع پر جہاں اٹھس کے والدین
پیدا ہوتے ہی چھوڑ آئے تھے ایک یادگار قائم کی۔ گنبد سرائے اور کنواں
بنوایا کہ براہگیر جو ادھر سے گذریں نورجہاں کے قصے اور خدا کی قدرت
کو یہی یاد کریں۔

مسعود و سوداگر کی قبر بھی پچاس ہزار روپیہ دیکر نہایت شاندار بنوا دی

نورجہاں کی وفات

ہر آنکہ زاد بہ ناچار بایںش نوشید ز جام دہرے کل من علیہا فان
المشرافہ یا تو ایک وہ موقع تھا کہ نورجہاں کی بڑھتی ہوئی دولت اور بڑھتی ہوئی
جوانی کے عالم میں تصویریں کھینچ رہے تھے۔ یا ایک یہ موقع ہے کہ ہم سب
اس چاندنی صورت کو مٹی میں ملانے کا حال دیکھتے ہیں۔ مگر یہہ دن سب
کے لئے ہے کوئی کیسا ہی عالم فاضل، حسین، کامل، دولتمند، حکیم،

اور فلاسفر کیوں نہ ہر موت کا مزہ ضرور چکے گا۔ کل من علیہا فان وسیعہا وہ
ریک ذوالجلال والاکرام۔

نور جہاں کی حشمت کا پالنے اسی وقت سے پلٹا جب سے کہ ادسکی ماں کا
انتقال ہوا۔ وہ اسی دن سے آلام پیہم میں گرفتار ہوتی چلی گئی۔ اور ہر پویشیل
پہچیدگیوں نے اسے اور بھی مایوس کر دیا۔ گودہ قابیلہ اور عاتلہ تھی مگر پھر
بھی عورت تھی۔ مردوں کے سامنے اویکی کیا چل سکتی تھی تاہم سیاہی عقدن
کے سہجانے میں جو کوشش ہی اوس نے کی وہ اُس کی صنف اور لطیف
الجنسی کے لحاظ سے قابل قدر اور لائق رشک ضرور ہے

اُسکی آخر عمر میں اس کے دل پر جو گہرا اور ناقابل اند مال داغ بڑا وہ جہانگیر
کا انتقال ہوا اور اسی کے ساتھ اوسکی ان خواہشوں کی پامالی جن کا تعلق تھوڑا
شہر پار دیہدی سے وابستہ تھا۔ وہ ممتاز محل کی اس خوش نصیبی کو جو اسے
آصف جاہ کی ریشہ دوانیوں سے حاصل ہوتی تھی ٹھنڈے دل سے نہیں
دیکھ سکتی تھی اور اسی لئے اس نے اگر وہیں رہنا ہی پسند نہیں کیا اور لاہور بسانا
گوارا کیا۔ جہانگیر کے مرنیکے بعد بارہ برس تک نور جہاں اور زندہ رہی، اس
مدت کو اس نے دعا اور وظائف میں گزارا رات دن خدا کی عبادت میں
مصروف رہتی تھی اور جہانگیر کی مغفرت کیلئے دعائیں مانگتی تھی۔

مگر اس عالم میں ہی وہ اُن بے کسوں کے حال سے بخیر نہ رہی جن کی وہ اپنے
سہاگ کے زمانہ میں خبر گیراں تھی۔ اور اپنی جائداد کا ایک حصہ انکی سرپرستی
کے لئے مستقلاً وقف کر دیا۔

آخر ۷۲۹ء میں ایک دن عصر کا رداں سرائے عالم سے رخصت ہو گئی تھیں
روحِ نئیوں کہا دمِ رخصت یہ نتیجہ ہے زندگانی کا

کفن

نورجہاں نے اپنے کفن کا انتظام اپنی زندگی ہی میں کر لیا تھا۔ وہ حریر سپید کا
سنا ہوا تھا اور اصفہان میں خاص طور پر تیار کیا گیا تھا۔ آیاتِ قرآنی اُس میں بنوائی
گئی تھیں۔ مکہ معظمہ پہنچ کر آبِ زم زم سے اسے دہلوا دیا تھا۔ عرمِ محترم مدینہ منورہ
نہج اشرف، کربلائے معلیٰ اور مشہد مقدس وغیرہ مقامات کی خاک
سے کفن پر خدا کے ۹۹ نام، چودہ معصومین علیہم السلام کے نام، اور ا دعائے
منفرت لکھی گئی تھیں۔ اوس کفن کے لئے اس نے ایک خاص داروغہ مقرر
کیا تھا۔ اوس پر روزِ قرآن شریف پڑھ کر دم کیا جاتا تھا۔ اور نورجہاں کی قبر میں
کربلائے معلیٰ کی مٹی بھائی گئی تھی۔

جنازہ

نورجہاں کے جنازہ کے ساتھ ساتھ ساٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور مرنے کے بعد بھی
شاہانہ جبروت و جلال اور عظمت و وقار اس قدر برید تھا کہ لوگ جنازہ کی طرف
بمبشکل دیکھ سکتے تھے ہزاروں غریب مسکین، اندھے، لوسے، لنگڑے،
عقیم، بیمار، چلا چلا کر رو رہے تھے۔ جنازہ کے ارد گرد بیسویں بچوں کا حلقہ تھا
اس منظر کو جو دیکھتا تھا دل تمام لپٹا ہوا کوئی آنکھ خشک نہ تھی اور نہ کوئی دل ساکن

تہا لما خجند ہرقی لکھتے ہیں کہ جب نور جہاں کے انتقال کی خبر پہنچی تو میں نے خیال کیا کہ وہ شیعہ تھی اسلئے غالباً اُس کے جنازہ کے ساتھ صرف شیعہ لوگ ہوں گے لیکن جب بغرض شرکت وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ شیعوں سے چار حصہ زیادہ سنی شریک جنازہ ہیں۔ اور قاضی شہر بھی پیشم گریباں ہمراہ ہیں۔

اُسے موصوف لکھتے ہیں کہ سمرت شاد قلندر کسی نماز نہیں پڑھتے تھے لیکن نور جہاں کے جنازہ کی نماز اونہوں نے صفوں سے علیحدہ ہو کر ادا کی۔ اور سجدہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت مرقدے کی نار میں سجدہ کیسا۔ فرمایا کہ ”وہ خدا سے زندہ را کو نماز گذرانده ایم“ اور فرمایا کہ نور جہاں کے لئے یتیم بچوں کے آنسو بہشت میں محل بنوا رہے ہیں۔ بیوہ عورتوں کے اشک مسلسل نعل دیا قوت کے قہر تیار کر رہے ہیں۔ غریب اور لاچار لوگوں کی دعائیں اون محلوں کا ستوں بن رہی ہیں۔ اور خدا کی رحمتیں نور جہاں کی یتیم پروری اور سیکس نوازی کا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہیں۔

مزار

العقہ نور جہاں کا جنازہ بندوں کی دعاؤں اور خدا کی رحمتوں میں گہرا ہوا شاہد رہے پہنچا، اور وہاں قبرستان جہانگیر کے جوار میں دفن کیا گیا۔ منشی محمد الدین صاحب فوق لاہوری مقبرہ نور جہاں کی موجودہ حالت کا نوٹوان الفاظ میں کہتے ہیں۔

دو نشہ عیش میں سرشار رہنے والے عیش پرستوں اور عنت و تکبر کی شراب سے

پرست ہونیوالے غافل، موت کے خوف اور خدا کی یاد سے غافل رہنے والے
 غافل، موت کے خوف اور خدا کی یاد سے غافل رہنے والے نورجوان، عارضی حسن
 پر ناز کرنے والے حسنینوں، فوق کے ان لفظوں کو مجذب کی بڑے سمجھو، دیکھو
 اور سنو، یہ دنیا فانی ہے تم بھی اسے فانی سمجھتے رہو۔ مگر کام ایسے کر سنا
 گویا تمہیں موت کبھی آئی ہی نہیں۔ نورجوان کی طرف ہی دیکھو اس کی
 نشان و شوکت اور سکار و جلال اور سکا حسن و ناز آج کہاں ہے
 وہ نورجوان جس نے جہانگیر کی چاہنی ملکہ بکر حرم سرانے شاہی میں تمام دایوں
 کے چراغ بے نور کر دیے تھے آج خود ایک مٹی کے چراغ کو ترس رہی ہے
 بر مزار ماغریباں نے چراغے نے گلے

نے پر پردانہ آید نے صدائے بیلے

نورجوان کا مقبرہ دیکھ کر کوئی سنگدل ہوگا جس کے دل سے آہ ازبان سے
 آف ماوراء نکلوں سے آسنو نہ نکل آتے ہوں۔ افسوس نورجوان کی قبر
 جسکے ہاتھ میں حکومت ہندوستان کی پاک تھا۔ آج چوداؤں کا مارن مسکن
 بے مقبرہ کی پہوٹی ہوئی عمارت جسے بارہ دہی کہتے ہیں چودا ہے ترکوں
 اور گاتے بھنسون کیلئے گرمی کے دنوں میں سائباں کا کام دیتی نورجوان
 کا مقبرہ عین اوس ریلوے سٹرک پر واقع ہے جولاہور سے وزیر آباد کو جاتی
 زمین کے احاطہ میں قبر کا تعویذ ہے۔ قبر دراصل زمین و درہے ایک
 سٹرک نورجوان کے مقبرہ سے جہانگیر کے مقبرہ تک جاتی ہے جس میں
 آج کل کوئی تنفیس بھی نہیں جاسکتا۔

ہم اسپر اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں۔

نور جہاں باقتبار علم و فضل تدبر و فہم و ادراک و دانش ہندوستان کی بیگمات میں اس قابل تھی کہ اس کے مسلک علم و دانش کی تقلید کیجاتی ہماری خواتین اس کے کارناموں سے عفت و عصمت، حلم و ضبط، صبر و شکر، اور احتیاط کے سبق لیتیں لیکن خیر اب نئی روشنی کا دور دورہ ہے خواتین ہندوستان میں علم کے چرچے تو پیش ہو رہے ہیں مگر عملاً دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں۔ اگر آج شاہی زمانہ ہوتا تو غالباً بیگمات شاہی کے مزاروں کی یہ ناگفتہ بہ حالت نہ ہوتی جو آج کل مزارات زیب النساء اور نور جہاں گیم کے متعلق سننے میں آتی ہے۔ مگر اب جس سلطنت کا دور دورہ ہے وہ بھی آثار قدیمہ کے تحفظ میں کچھ کم کوشاں نہیں ہے ہم اسے ہی سمجھ کر ناچاہتے ہیں کہ جس طرح وہ اگرہ میں تاجگینہ اعتماد اولہ اور سکندر وغیرہ کی حرمت و حفاظت میں لچھی لہی ہو اس طرح ان بیگمات اسلام کے مزارات مقدسہ کی طرف بھی نظر مراحم دالے اور ان کی شکست و ریخت کا کوئی کافی انتظام کرے زیادہ بھنی تو ہمیں اپنی قوم کی لا پرواہی اور تغافل پڑتی ہے جب مزار نور جہاں ریلوے سٹریک پر واقع ہو تو ہزاروں مسلمان روز اس مزار کی ناگفتہ بہ حالت کو دیکھتے ہوئے چلے جاتے ہونگو پھر کیا یہ اسلامی حمیت ہے کہ معمولی مزاروں کی حرمت کی طرف تو اسقدر توجہ دیجاتی ہے اور مزار نور جہاں کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

ہندوستان میں تعلیمی یافتہ خواتین کی کچھ کمی نہیں ہے۔ اگر وہ بھی اپنے طبقات وسیع میں داسے دیرے چندہ کر کے بیگمات شاہی کے مزاروں کی حفاظت

تر صبح کا خیال کریں تو یہ مشکل کام بہت جلد آسان ہو سکتا ہے مگر کوشش اور توجہ کی ضرورت ہے۔ لاہور جہاں کا مقبرہ ہے، خود ہی ایسے ایسے صاحبان دولت و جاہ کا مسکن و مرکز ہے کہ اگر ادا میں سے کوئی ایک کھڑا ہو جائے تو کم از کم موجودہ منظر کو ضرور بدل سکتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ تو ہے نہیں کہ اسپر تا جنگج یا اعما و الدولہ کی طرح ایک عالی شان نظر فریب عمارت قائم کی جائے۔ یا اسکے لئے عرب و عجم اور قسطنطنیہ سے انجنیر وغیرہ بلواتے جائیں بلکہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ مزار نور جہاں جس کس مہر سی کجالت میں بڑا ہے وہ حالت بدل جائے اور دیکھنے والوں کے دل و فہم کسی بے چارگی و یلانی کا احساس نہ ہو۔

سب سے بڑا ردو نایہ ہے کہ لاہور کے اخبارات جھگڑا آٹا دھنا وید کو مزار نور جہاں کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں دلاتے۔ کیا اسلامی بہر دی کا ثبوت یہی ہے۔ اگر لاہور کے مسلم اخبارات کو شش کریں تو دنیا پھر سے تعمیر مزار کے لئے چندہ کر سکتے ہیں۔ لیکن کوشش کرنا ہی تو ایک بڑی بات ہے۔

مزار نور جہاں کی موجودہ حالت ”تصویرِ عجرت“ کے عنوان سے جناب مولوی حبیب الرحمن صاحب حسرت شروانی رئیس بہمن پور نے خوب کہنچھی ہے۔ جو بحسنہ پیش کی جاتی ہے۔

بزم اک لاہور میں ہے خادماں قوم کی جنگے دل سے لگ رہی ہو عکس شان قوم کی
راتن سرگرم سب کے سب نای کوشش میں ہیں جس طرح کہ بن پڑے اسلام کی نذر شکر میں
حسرت پیدل بھی انکے شامل محفل ہوا رنگ محفل سے سرور بیکراں حاصل ہوا

بلبلان قوم کے ہی چھپے سب سن لئے
 پہرے پہرے مرقہ نور جہاں آیا نظر
 کل تھا جسکی شان پر عالم کا دل آیا ہوا
 جسکے رشتہ کو ہانکتا تھا بادشاہ روزگار
 چوٹ سی دل پر لگی اجڑی وہ حالت دیکھ کر
 دل کی آہیں کھل گئیں غفلت کا پردہ اٹھ گیا
 شہر کا نام آستانہ استادہ بافرشی
 اسکی پیشانی سے عجب سلطنت تھا جلوہ گر
 دل نے آہستہ کہا یہ ہے جہاں گنیر غیور
 دیر تک تو ضبط بیٹابی دل کرتی رہی
 آہ کہیں ایک اوسنے بادل اندوہ گیس
 کیا اوس کا ہے یہ خواہستہ مقبرہ
 بیٹے جسکے سر پہ قرباں چہر شاہی کر دیا
 جسکے قدموں پر فدا کر دی تھی بیٹے سلطنت
 جسکی صورت جلوہ فردوس کی تصویر تھی
 آہ وہ ایام عشرت آہ وہ یل نہا
 شہر خاموشاں میں جانکلا میں عبرت کیلئے
 مقبرہ تھا وہ کہ تھا تصویرِ عبرت سرسبز
 آج عالم بیکسی کا اوسپہ ہے چہا یا ہوا
 گردش گرد و گریوں تاراج ہوا سکافزار
 جان ہی پر آئی بگڑی وہ صورت دیکھ کر
 بیخودی نے چھکو دکھلایا تماشہ اک دنیا
 جو عجب حسرتِ روضہ کی طرف تھی دیکھتی
 اسکی چہن سے برستا تھا غضب کا کوفہ
 مقبرہ میں سونہالی اسکے دلکی تھی سرور
 جوش بیٹابی سے وہ مجبور آخر ہو گئی
 یوں کیا انہار در و دل بہ آواز حزیں
 برسوں کا صاحبِ ملک ہند میں بختیار ہا
 جسکی جوتی کے تے اور رنگ شاہی کر دیا
 جسکے آگے سر چکا دینے تھی اہل نکنت
 جسکی رنگینی بہارِ خطہ کشمیر تھی
 بلبل آمل چمکتا، دیکھ کر جن کی ہمار

اس مسٹر جیس ڈگلس اپنی تصنیف "بھٹی اور مغربی ہند" میں لکھتا ہے کہ
 میں "دون جس وہ ایک بیل گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی سیر کرتی تھی اور رنگین مزاج جہاں گنیر اسکا
 گاڑی بان ہوتا تھا

جسکی رنگیں بزم رشک و صفہ فردوس تھی
 خالموں نے قبر کا تعذیب تک چھوڑا نہیں
 بذلہ بخئی سے بھل ہوئی تھی جسکی پہلو بڑی
 قصر میں پھنسا تھا جسکے فرش دیباؤ حیر
 جھنگٹے میں نازنیوں کے جو کرتی تھی بسر
 سب پر پھولوں کے سوتی تھی کہی وہ نازیں
 جسکی پا بوسی کی کرتے آرزو گلاب کے تر
 چن جسکا تازی بخشن گل گلزار ہوا
 قصر میں جلتی تھیں جسکے شمعہائے عینیں
 نام روشن ہے جہانیں آہ جسکا سر بسر
 کر دے جس نے بہت سی صاحب طیل و نشان
 جس نے صدا خلعت دیبا و طلس دیدے
 بیکی سے اوسکے روضہ کی دیکھا صوت بنی
 کونسا گوشہ ہو تربت کا کہ جو توڑا نہیں
 حیف وہ خاموشی خوش بکد میں ہو بڑی
 آہ فرش خاک پر سوتی ہے وہ ماہ منہ
 آہ او کی قبر پر اب بیکی ہے نو حہر
 پھل دوسو کہے ہی اسکی قبر چڑھتے نہیں
 خشک کانٹوں کا پڑا ہے ڈھیر اسکی قبر پر
 آہ قسمت میں لکھا اوسکے لوح کے خار تہا
 حیف روشن اک دیبا ہی قبر پر اسکی نہیں
 نام کہہ ہی روشنی آئے نہ اسکی قبر پر
 اس فکستہ مقبرہ میں بڑی ہوئے نشان
 حیف تر سے اسکی تربت ایک چادر کیلئے

لوٹ بڑوں پر جسکی تھی پرتاک کل زلیفت کی

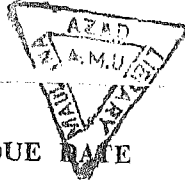
آج دیواریں ہیں اُسکے روضہ کی تنگی کھڑی

تمام شد

۱۵۹۵۱



Every Sort of
INTERESTING NOVELS & DRAMAS.
Available from-
ELECTRIC BOOK DEPOT., AGRA.



240

DUE DATE

✓

70026 11

7

88 1/2

11.00

10701

URDU STACKS

Aligarh Book Binding Works
Basel Ganj. ALIGARH
Date of binding 7-1-63

